اک جگنو

ہے بند مٹھی میں

فائزہ افتخار

ایئرپورٹ پہ پھوپھی اماں اور موتی کے درمیان ہونے والا جذباتی منظر اسے کوفت میں مبتلا کر رہا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پچھلے چند روز سے وہ زبردست کوفت اور جھنجلاہٹ کے زیر اثر تھا اور اس کے طویل و دردناک ٹریجک سین نے اس میں خاطر خواہ اضافہ کیا تھا۔

"امی! آپ کیا آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی ہیں، الگ کیجئے اس بے وقوف لڑکی کو پھوپھی اماں سے، فضول تماشا لگا رکھا ہے۔"

جھلایا ہوا تو پہلے ہی سے تھا، یہ دیکھ کر اور [illegible] بجائے ان دونوں کو خاموش کرانے کے سب ہی [illegible] ہو جانے والی نظروں سے یہ منظر ملاحظہ فرما رہے تھے۔ امی نے تو کیا اس کی ہدایت پہ عمل کرنا تھا، صدف شرمندگی سے سرخ ہوتا چہرہ لیے آگے بڑھی اور تقریباً کھینچ کر

فائزہ افتخار

[illegible]

موتی کو امی سے الگ کرنے لگی، احتجاجاً موتی زور سے چلانے لگی۔

"پھپھو! مجھے بھی ساتھ لے چلیے۔ میں آپ کے بغیر۔"

"فضول ضد مت کرو موتی! اتنا سمجھا کے لائی تھی میں تمہیں۔" صدف زچ ہو گئی۔

"صدفی! اسے یوں تو مت ڈانٹو۔ پہلے ہی بے چاری ہلکان ہو رہی ہے۔ بس میری جان! میں کیا کروں، کیسے لے جاؤں تجھے۔ بس میری بچی دعا کرنا تیری پھپھو اور ممانی خیر خیریت سے یہ فریضہ ادا کر کے واپس لوٹیں۔"

پھوپھی اماں نے اسے چمکارا اور ساتھ ہی اپنی دونوں بیٹیوں اور اکلوتے فرزند کو ہدایات جاری کرنے لگیں۔

"عمرت! دوسرے تیسرے دن چکر لگا لیا کرنا، یوں تو صدف ماشاءاللہ بڑی سمجھ دار ہے مگر تم بڑی ہو، ان کا خیال ضرور رکھنا۔ عاکف کا بھی دھیان رکھنا، گیند بلا اٹھائے وہ دو دن کے لیے غائب نہ ہو جائے کہیں اور بلال۔۔۔ سودی بڑی ہے، بیلو، پپو اور گڑیا کا خاص خیال رکھنا۔"

ان کی بڑی صاحبزادی گود میں کسمساتی گڑیا کو ہلکے ہلکے تھپکتے حسب عادت سر ہلا کر ماں کو تسلی دینے لگیں اور ہمیشہ کی طرح ان کے مشینی انداز میں سر ہلانے پر پھوپھی اماں غیر مطمئن ہی رہیں لیکن وقت کی کمی کے پیش نظر وہ یہاں اپنا ہدایت نامہ نشر کرنے کے بجائے دوسری بیٹی کو فیض یاب کرنے لگیں۔

"صدف! میری جان، بھائی کا دھیان رکھنا اور

مکمل ناول

ابراہیم کی بڑی مہربانی کہ وہ اتنے دن تم لوگوں کی دیکھ بھال کے لیے ہمارے گھر رہے گا۔ اگر عاکف کسی کام کا ہوتا تو میں بیچارے ابراہیم کو تکلیف ہی کیوں دیتی، بس اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اسے گھر میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا، اس سے روز پوچھ لیا کرنا کہ کیا کھانے کو جی چاہ رہا ہے، یہ نہیں کہ بس اپنی پسند کی دالیں ہی چڑھاتی رہا کرو۔"

پھوپھی اماں کل سے کم و بیش دس بار یہ ہدایت اسے دے چکی تھیں۔ اکیلے میں بھی اور سب کے سامنے بھی اور اس وقت ایئرپورٹ پہ ابراہیم کے بالکل سامنے کھڑی صدف نے یہ آخری تاکید سن کر اچھی خاصی شرمندگی محسوس کی لیکن اسے اپنے چہرے کے تاثرات چھپانے میں کمال حاصل تھا۔ اس لیے تسلی بھری مسکراہٹ سے سر ہلا دیا۔

"اور ہاں، موتی کو زیادہ تنگ کرنا نہیں۔ بچی ہے، پیار سے سمجھانا۔"

ابراہیم نے رسٹ واچ پہ ٹائم دیکھنے کے بعد ایک جھنجھلائی بد مزہ سی نظر اس ساڑھے پانچ فٹ کی "بچی" پہ ڈالی، جس کی کس کے کی گئی دو چوٹیوں میں سے کئی بال نکل کر چہرے اور گردن پہ لہرا رہے تھے۔ پھوپھی اماں سے لپٹ لپٹ کے رونے کی وجہ سے اس کی ہلکی شربتی آنکھیں اس وقت بالکل روح افزا کے رنگ کی ہو رہی تھیں اور عاکف کے ڈھیلے ڈھالے سوئٹر میں ملبوس وہ اس کی لمبی لمبی آستینوں میں اپنی مٹھیاں تک چھپائے کھڑی تھی اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسی سوئٹر میں ملفوف مٹھی سے موتی سی گلابی ناک رگڑ کے شوں شوں کرتی وہ ابراہیم کو زہر لگ رہی تھی بلکہ اگلے ہی لمحے بے فکری سے ادھر ادھر "جھاتیاں" (تاک جھانک) مارتا عاکف بھی برا لگنے لگا کیونکہ اب پھوپھی اماں نے اپنا ہدایت نامہ اس پر انڈیلنا شروع کر دیا تھا۔

"اور تم میرے بچے! بہنوں کو زیادہ تنگ نہ کرنا اور موتی سے تو بالکل لڑائی نہیں کرنی۔ سن لیا! مجھے واپسی پہ کوئی شکایت سننے کو نہ ملے۔ دن بھر بھلے خوار ہوتے رہنا مگر خدا کے واسطے رات کو گھر وقت پہ پہنچ جایا کرنا۔"

ابراہیم نے بھی دہائی پہ لقمہ دیا "ہاں تاکہ کوئی تمہارے گھر کی چوکیداری کے واسطے دن رات بیٹھا نہیں رہے گا۔"

وہ مڑیں تو ان کی دیکھا دیکھی امی جان کو بھی ہر شے اچھی طرح "ابراہیم کو تاکید کرنے لگیں۔

"بیٹا! آج ہی سارا کام نمٹا لینا، گھر اچھی طرح لاک کر کے ساری ضرورت کی چیزیں ساتھ لے کر پھوپھی کے گھر چلے جانا۔ تمہارے پھوپھا حسن بھائی ہیں، ذمہ داری سے خیال رکھنا ان کا۔ تمہارے دم سے آپا کو بھی حوصلہ رہے گا ورنہ یونہی پریشان ہوتی رہیں گی۔"

"جی امی۔" بڑی مشکل سے اس نے لہجے کو حتی الامکان نرم رکھنے کی کوشش کی، اب پتا نہیں وہ کتنی مطمئن ہوئیں، ہوئیں بھی کہ نہیں۔

"چلو بھئی اب اندر چلنے کی کرو۔"

ابو جان کا فقرہ اسے حیاتِ نو کی مانند لگا۔ ارد گرد کھڑے سب ہی عازمینِ حج اپنے پیاروں سے ملنے کے بعد سامان سمیت اندر جانے کی تیاری میں تھے۔ بادل نخواستہ امی اور پھوپھی اماں نے بھی اپنی اپنی اولاد کو مزید ہدایتوں سے فیض یاب کرنے کا طویل دورانیے کا پروگرام سمیٹا۔

موتی نے لمبی سی سسکی بھر کے پھوپھی اماں کو الوداعی "جپھی" ڈالی۔ امی جان کا نرم گرم سا ہاتھ اس کے سر سے ہوتا مضبوط شانوں تک ٹھہر گیا۔ ان کی ڈبڈبائی آنکھیں دیکھ کے ابراہیم کا سر خود بخود ہی ان کے آگے جھک گیا۔ انہوں نے بیٹے کی روشن پیشانی پہ ایک پیار بھرا بوسہ ثبت کیا۔ سیدھے ہوتے ابراہیم کی نگاہ امی کے پیچھے کھڑے ابو جان پہ پڑی۔ وہ آگے بڑھ کے ان کے گلے لگ گیا۔ پچھلے کئی دن سے باپ بیٹے کے درمیان جو ہلکی سی سرد مہری چھائی ہوئی تھی، یک لخت چھٹ گئی۔ اس کی چوڑی پشت تھپکتے ہوئے معظم علی نے آہستہ سے کہا۔

"کہا سنا معاف کرنا بیٹا!"

"ابو جان!" وہ تڑپ گیا۔ باپ کے گرد اس کی گرفت اور مضبوط ہو گئی۔ یہ مختصر سا جملہ اسے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈبو گیا۔

"تمہاری ماں نے مجھے منع کیا تھا کہ سفر پہ نکلتے ہوئے بیٹے سے ایسا کوئی ذکر مت چھیڑنا جو کسی تلخی کا باعث بنے مگر میں جاتے جاتے صرف اتنا کہوں گا بیٹا! کہ اگر ایک فرض میں ادا کرنے جا رہا ہوں، دوسرے فرض کی ادائیگی تم پر قرض ہے، اس کے بارے میں سوچنا ضرور۔ میں مجبور نہیں کر رہا، صرف سوچنے کا کہہ رہا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں تم نے اس بارے میں سوچنے تک کی زحمت نہیں کی۔"

وہ سرگوشی میں کہتے رہے۔ وہ چپ چاپ سر جھکائے سنتا رہا۔ کیا کہتا، سچ تو یہی تھا، اس نے یہ بات سنتے ہی فوراً اختلاف کا پرچم بلند کر دیا تھا اور سوچنے کی

ضرورت بھی کیا تھی۔ انکار کی اچھی خاصی وجوہات تھیں۔ زندہ سلامت۔۔۔ ایک تو ندرت اور دوسری خود موتی۔

گو وہ پونے گھنٹے تک ایک دوسرے سے لپٹ لپٹ کر بھی ان سب کا جی نہ بھر رہا تھا لیکن جانا تو تھا اور پھر جہاں جانا تھا، اس کی کشش بھی اتنی بھرپور تھی کہ گھر تو کیا بندہ سارا جہاں چھوڑ کے بھی وہاں جانا چاہے۔

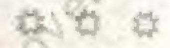

ایئرپورٹ سے واپس گھر جاتے ہوئے سب ہی چپ چاپ تھے۔ بس کبھی کبھار ندرت کی گود میں لیٹی گڑیا کسی نامعلوم سی وجہ کے تحت ایک احتجاجی چیخ ضرور بلند کرتی جس کے سدباب کے لیے وہ گرم کپڑوں اور کمبل میں ملفوف اس چھوٹی سی سات ماہ کی بچی کو زور زور سے تھپکنا شروع کر دیتی۔ اس کے دونوں بیٹے اسکول گئے تھے ورنہ اس وقت اس مختصر سی سوزوکی ایف ایکس میں بھونچال آیا ہوتا۔

صدف خاموشی سے باہر تک رہی تھی جبکہ اس کے شانے پہ اپنا بکھرے بالوں والا سر بے فکری سے ڈالے موتی بے سدھ سو رہی تھی۔ اس کے گرد صدف کی شال لپٹی ہوئی تھی۔ ابراہیم نے جب بھی اسے دیکھا، کسی نہ کسی کے کپڑوں میں ہی دیکھا۔ کبھی عاکف کے کھلے سے پشاوری چپل پہنے پھر رہی ہوتی، کبھی پھوپھی اماں کی مختصر سی چپل میں ہی پھنسائے سٹر پٹر کر رہی ہوتی۔ اس وقت بھی اس نے عاکف کا ہی کھلا سا سرخ اور کالے چیک کا سوئٹر پہن رکھا تھا۔ کچھ دیر قبل براؤن اور اسکن کلر کی لائننگ والی شال جو صدف لپیٹے ہوئے تھی، اب موتی کے اوپر تھی۔

ابراہیم نے بیزاری سے یکسر دوسری طرف نظر ہٹائی۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے عاکف پہ نظر گئی تو اسے بھی اونگھتا پایا۔ یقیناً ساری رات پھوپھی اماں نے اپنے ان دو لاڈلوں کو سونے نہ دیا ہو گا۔ ایئرپورٹ جاتے ہوئے اس کی گاڑی میں ابو اور امی کے ساتھ پھوپھی اماں بھی گئیں اور وقفے وقفے سے مڑ کے پیچھے آتی ٹیکسی کو دیکھے جاتیں جس میں اس وقت یہ چاروں سوار تھے۔

"ہائے ہائے! ان کی عقل تو دیکھو، صبح سویرے کا وقت، کڑاکے کی سردی اور دھند، کھڑکی کے شیشے اتار رکھے ہیں۔ یہ عاکف تو مولی گاجر کا ہے۔ صدف نے بھی شال سے منہ سر لپیٹ رکھا ہے لیکن موتی کو تو ٹھنڈ بڑی جلدی لگتی ہے اور وہ ندرت کی گود میں گڑیا بھی تو ہے۔ اکڑ گئی ہو گی ننھی سی جان۔"

آخر رہ نہ سکیں اور گاڑی رکوا کے ان کے خوب لتے لیتے ہوئے شیشے چڑھوائے۔ اگر اللہ کے گھر جانے کی خواہش اتنی شدید نہ ہوتی تو بھلا کب حوصلہ کر پاتیں وہ کہیں جانے کا۔

"کیا آپ کو گھر اتار دوں یا یہیں اتریں گی؟" پھوپھی اماں کی تنگ سی گلی کے کونے پہ گاڑی روکتے ہوئے ابراہیم نے پوچھا۔

"نہیں، اتار دو یہیں۔ بیلو کی دادی سے کہہ آئی تھی کہ چند گھنٹے سنبھال لیں بچوں کو، شام کو ان کے پاپا مجھے لینے جائیں گے۔ اب بھلا تم کہاں یہاں سے ڈھوک چوہدریاں تک جاؤ گے۔"

وہ خاموش ہی رہا۔ جتنا تکلف نبھانا تھا نبھا چکا، جانتا تھا سرسری سا بھی اخلاق مزید برتا تو نہ صرف اتنی ٹریفک میں سے گزر کے ڈھوک چوہدریاں تک انہیں چھوڑنے جانا پڑے گا بلکہ ہو سکتا ہے وہ ہمیشہ ہر بار تشریف آوری کرتے ہوئے پک اینڈ ڈراپ کی ذمہ داری اسے ہی سونپ دیں۔ ندرت جو اپنی بات کہہ دینے کے بعد بھی اندر ہی بیٹھی تھی، ابراہیم کی مصلحت بھری خاموشی پہ مایوس ہو کے اتر ہی گئی۔ ظاہر ہے اب شام کو اعجاز بھائی کے ساتھ سوزوکی پک اپ میں ڈھیروں مسافروں کے ساتھ لد کے جانا کوئی اتنا خوشگوار بھی نہ ہوتا تھا۔

"ابراہیم بھائی! آپ اندر نہیں آئیں گے؟"

عاکف نے لمبی سی جمائی لینے کے بعد پوچھا۔
"نہیں۔ ابھی تو نہیں، میں کل صبح ڈیوٹی کے بعد سیدھا یہیں آجاؤں گا۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔
"چھوڑ آئے امی ابو کو؟" سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے عقب سے سائرہ آنٹی کی آواز آئی۔ بے تحاشا آتی نیند کو کچھ دیر کے لیے ٹالتا ہوا وہ الٹے قدموں نیچے اتر آیا۔
"آؤ ناشتہ کرلو۔ بہت دیر کردی تم نے۔ اچھا ہوا میں نے پراٹھے نہیں ڈالے ورنہ ٹھنڈے ہو جاتے۔ تم بیٹھو، اخبار پڑھو۔ میں بس ابھی ناشتہ لے کر آتی ہوں۔"
"آنٹی! ناشتہ تو میں نے صبح کرلیا تھا۔"
"صبح۔۔۔ کہاں۔۔۔ ایئرپورٹ؟" وہ چونکیں۔
"جی نہیں۔ ڈیوٹی سے میں سیدھا وہاں۔۔۔ پھوپھی اماں کے گھر گیا تھا۔ فلائٹ تو دس بجے کی تھی۔ آٹھ بجے انہیں لے کر مجھے ہی تو ایئرپورٹ تک جانا تھا۔" وہ خواہ مخواہ ہی وضاحتیں پیش کرنے لگا۔ سائرہ آنٹی نے خاموشی سے سر ہلایا۔
"اچھا چائے تو پیو گے؟"
"جی، لیکن آپ عنایت کے ہاتھ اوپر ہی بھجوا دیجیے۔" اسے الجھتا دیکھ کے ساتھ آنٹی شرارت سے مسکرائیں پھر چھیڑنے کے انداز میں کہنے لگیں۔
"ہاں بھئی! تم کیوں بیٹھنے لگے یہاں۔۔۔ اس وقت نیرا تو گھر پہ ہوگی نہیں جس کی کشش تمہیں باندھے رکھے۔"
"آنٹی! آپ بھی بس۔" وہ خجل سا ہو گیا۔
"درست کہہ رہی ہوں۔ ابھی وہ ہوتی تو میں دیکھتی کس طرح تم یہاں سے اٹھتے۔"
ابراہیم سٹپٹا کے مسکرانے لگا۔ آنٹی کی بے تکلفی بھی کبھی اسے ایسے ہی شرمندہ کردیتی تھی۔
"نہیں آنٹی! بس میں جا رہا تھا، چائے آنے تک فریش ہو جاؤں۔"
ساری رات کی سخت ترین ڈیوٹی کے بعد تو اسے یوں بھی سخت نیند آیا کرتی تھی اور وہ دن کو کئی کئی گھنٹے سویا کرتا لیکن چونکہ پچھلے دو دنوں سے امی اور ابو کے آجانے کی وجہ سے اس کی دن کی نیند کا دورانیہ بھی کم رہا تھا اس لیے اس وقت نیند کا غلبہ بھرپور تھا۔ اسٹرونگ چائے کا گرما گرم کپ بھی اس پہ چھائی غنودگی کم نہ کرسکا۔ وہ یوں بے سدھ سویا کہ شام کو چھ بجے اس کی آنکھ کھلی۔ کمرے میں اور لاؤنج میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ صرف سائیڈ ٹیبل پہ پڑے کلاک کے چمکتے ہندسے اندھیرے میں جگمگا رہے تھے۔ اس نے جھٹکے سے کمبل پرے کیا اور پہلے بیڈروم کی پھر لاؤنج اور سیڑھیوں کی لائٹیں آن کرنے لگا۔ اندھیرے سے اسے وحشت ہوتی تھی اور مغرب کے بعد لائٹیں آن کرنے کا معمول امی جان سے خودبخود اس میں منتقل ہو گیا تھا۔ روشنی پھیلتے ہی سیڑھیوں سے ٹک ٹک چپل کی آواز ابھرنے لگی۔ ابراہیم کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے فوراً واش روم کا رخ کیا۔ پانچ منٹ کے بعد جب وہ ذرا بہتر حلیے میں باہر نکلا تو نیرا کو لاؤنج میں بے چینی سے ٹہلتے پایا۔
"او گاڈ! اتنی لمبی نیند۔"
"السلام علیکم۔" ہمیشہ کی طرح نیرا کی جلد بازی اور بے تابی پہ ٹوکتے ہوئے وہ اس کی ادائی کلائی کی طرف متوجہ ہوا۔
"وعلیکم السلام۔" فوراً ہمیشہ کی طرح نیرا نے اس کے اس طرح جتانے پہ دانت چبا چبا کے سلام کا جواب دیا۔ اسے ابراہیم سے سخت شکایت تھی کہ پچھلے دو دن سے وہ مسلسل نظر انداز ہو رہی ہے۔ اسے امی ابو کے آنے، پھوپھی اماں کی طرف ٹھہرنے اور حج پہ جانے کی تمام مصروفیات دوبارہ سے جتاتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے ابراہیم دل ہی دل میں خوفزدہ ہو رہا تھا کہ اگر نیرا کو یہ پتا چل جائے کہ وہ ان کے واپس پاکستان آنے تک پھوپھی اماں کی طرف ٹھہرنے والا ہے تو شاید اسے منانے میں اگلے کئی دن لگ جائیں۔
"چلو ٹھیک ہے۔ جو ہوا سو ہوا، معاف کیا۔" نیرا

شاہانہ سی نزاکت کے ساتھ نیرا نے اپنا مومی ہاتھ لہراتے ہوئے اس کی گلوخلاصی کی۔ "لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ معافی ملنے کے بعد تم تلافی کا ارادہ بھی ترک کردو۔ کل سے میرے کالج آنے سے بھی آدھ گھنٹہ پہلے تم جاگ جایا کرو گے اور میرا انتظار۔۔۔ نہیں بلکہ مجھے کالج سے پک کرو گے۔ ہم ایک اچھا سا لنچ لیا کریں گے۔ دوپہر میں گھر پہ کارڈز کھیلیں گے، کیرم کی بازی لگا کرے گی، اچھی اچھی موویز دیکھیں گے پھر شام کو ڈیوٹی پہ جانے سے پہلے تم میرے ساتھ 'ڈنر' کیا کرو گے، ٹھیک۔"
ابھی ابراہیم سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے کئی روزہ پروگرام کے جواب میں وہ اپنا پروگرام کیسے بتائے کہ نیرا کی توجہ کاریڈور میں دھرے بیگ اور بریف کیس پہ پڑی۔
"یہ۔۔۔ یہ کس کا ہے؟"
"میرا۔" وہ ذرا سا کھنکھارا اور تمام ہمت مجتمع کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "دراصل پھوپھی اماں حج پہ تو جانا چاہ رہی تھیں لیکن گھر اور بچوں کی وجہ سے فکرمند تھیں۔ اس لیے ابو نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی انہیں تسلی کرادی کہ ان کی غیر موجودگی میں میں اتنے دن وہیں ان کے گھر رہوں گا۔"
"تت۔۔۔ تم۔۔۔" غصے اور حیرت کی زیادتی سے نیرا اس سے زیادہ کچھ بول ہی نہ سکی۔ لب بھینچے قہر آلود نگاہوں سے اسے گھورتی رہی۔ ابراہیم نے اس عارضی خاموشی کو غنیمت جانتے ہوئے وضاحت جاری رکھی۔
"میں چاہتا تو بعد میں انکار کرسکتا تھا لیکن ایک اور انکار کا مطلب ہوتا ابو جان کی مزید ناراضی۔ تم جانتی ہو کہ ان کے فیصلے کو رد کرکے اور اپنی مرضی ان کے آگے رکھ کے میں نے پہلے ہی امی ابو دونوں کو خفا کردیا ہے۔ ٹھیک ہے کہ ان کی ناراضی اور غصے کے باوجود میں ان کا یہ فیصلہ ہرگز قبول نہیں کروں گا لیکن یہ دوسری بات۔۔۔ یہ فیصلہ تم ناقابل قبول اور عارضی سی ہے۔ اس کے ماننے سے نقصان کم اور فائدہ زیادہ ہے۔ میں چاہتا تھا کہ جاتے جاتے ابو جان کا دل میرے لیے نرم ہو جائے۔ ایسے میں وہاں رہنے سے صاف انکار کرکے میں مزید حالات کیسے خراب کرلیتا۔"
اس نے جلدی جلدی اپنی بات مکمل کی۔ مبادا اس کی بات سنے بغیر ہی نیرا پھٹ پڑے۔
"تم حالات ہموار کرنے والا کوئی کام بھی تو نہیں کر رہے۔ تم نے اپنے ابو کو اصل وجہ بتائی ہوتی اپنے انکار کی تو وہ اتنا ناراض بھی نہ ہوتے۔ میں کہتی رہ گئی کہ ان کی روانگی سے پہلے بس ایک بار یہ بات کرلو مگر تمہاری ہمت ہی نہ ہوئی۔ البتہ وہ جاتے جاتے اچھا انتظام کر گئے۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تمہیں اس گھر کا پابند کر گئے تاکہ ان کی غیر موجودگی میں بھی تم یہ بات فراموش نہ کرسکو کہ اگر صبح شام چلتے پھرتے ہر وقت وہ لڑکی تمہاری نظروں کے سامنے رہی تو شاید تم اپنی ضد سے ہٹ بھی جاؤ۔۔۔ ہے نا۔۔۔"
"حد ہوگئی۔۔۔ یعنی۔۔۔ اتنی بدگمانی۔۔۔ نہیں نیرا! ابو جان تو صرف۔۔۔"
وہ چاہتے ہوئے بھی اس کا تجزیہ رد نہ کرسکا۔ پہلے اسے یہ خیال ہی نہ آیا تھا کہ ابو جان کے اس اقدام سے

پیچھے یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے لیکن اب نیرا نے توجہ دلائی تو اسے بھی شک ہونے لگا کہ ہو نہ ہو مجھے وہاں ٹھہرانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ لیکن دل ہی دل میں ابو جان سے خائف ہونے کے باوجود وہ نیرا کے سامنے اس کے اندیشے کو ہوا نہ دے سکا۔

"تم غلط سوچ رہی ہو۔ دراصل پھوپھی اماں نے اپنے بچوں کی تربیت بالکل ایسے کی ہے جیسے کوئی مرغی اپنے چوزے پروں تلے چھپا کے پالتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی کڑی نگہداشت کے نتیجے میں ان میں خود اعتمادی اور احساس ذمہ داری کہاں سے آئے گی بس یہی وجہ ہے میرے وہاں ٹھہرنے کی۔ رہی بات میرے اس لڑکی کے بارے میں سنجیدہ ہونے کی تو یہ تم اس لیے کہہ رہی ہو کہ تم نے اسے دیکھا نہیں۔ یقین کرو نیرا! اس میں ایسی کوئی بات نہیں کہ تم میرے حوالے سے یوں عدم تحفظ کا شکار ہو۔"

اس نے اپنے طور پہ تسلی دینا چاہی لیکن نیرا الٹا بگڑ گئی۔

"اچھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ ذرا سی بھی حسین ہوتی تو پھر میرے لیے ضرور خطرہ بن سکتی تھی۔ تو مسٹر ابراہیم! زمانے میں مجھ سے حسین اور لڑکیاں بھی ہوں گی اور ہیں بھی۔ مجھے تو ہر لحہ عدم تحفظ کا شکار ہونا چاہیے۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ تم سے حسین بھی کوئی اور ہے؟"

اس نے گہری نظروں سے اپنے سامنے بیٹھے حسن بے پرواہ کے تیور شکن جھٹتے کو دیکھتے ہوئے کہا اور ابراہیم کی توقع کے عین مطابق اس کا ہوا طیش بس اس ایک جملے کی مار بھی نہ سہ سکا اور جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ جامنی ٹراؤزر میں دونوں ٹانگیں صوفے پہ سمیٹے بیٹھی تھی۔ بلیک ویلوٹ کے فلیئر والے ٹراؤزر میں سے جھانکتی سڈول پنڈلیاں واضح ہو رہی تھیں اور گورے نازک ٹخنوں کی جھلک بار بار ابراہیم کا دھیان بٹا رہی تھی۔ ٹیبل کا دوپٹہ آدھا گود میں پڑا تھا اور آدھا نیچے کارپٹ پہ گرا ہوا تھا۔ شولڈر کٹ سرخی مائل براؤن بال ناز سے جھٹکتی اور آلوچے کے رنگ کی لپ اسٹک سے سجے گداز لبوں کو شرارت سے دبا کر مسکراتی وہ ابراہیم کے ہوش اڑانے لگی۔

"میں تیار ہو کے آئی ہوں مجھے ڈنر پہ لے کے جاؤ۔"

"کیا ہے کیا ابھی تمہیں اور بھی تیار ہونا ہے؟"

وہ حیرت سے اس کے نک سک سے درست حلیے کو دیکھنے لگا۔ سیفی پرنٹ ویلوٹ کے اسٹائلش سے ٹراؤزر اور شارٹ شرٹ میں ملبوس لائٹ میک اپ اور مطور نازک سی جیولری کے ساتھ وہ خاصی اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔

"ہاں تو اور کیا؟ آج تم مجھے پی۔ سی میں ڈنر کرا رہے ہو اچھے سے۔"

وہ تو آرڈر دے کے مڑ گئی۔ ابراہیم حساب لگانے لگا کہ کس وقت تک ڈنر کے لیے نکلا جائے تاکہ پی۔ سی سے چکلالہ تک واپس نیرا کو ڈراپ کرنے کے بعد وہ ٹائم پر ڈیوٹی کے لیے پریس پہنچ جائے۔ اچھا خاصا لمبا چکر تھا۔ پہلے اس نے سوچا نیرا کو پی۔ سی کے بجائے یہیں اسکیم تھری میں کسی ریسٹورنٹ میں ڈنر کرنے پہ آمادہ کرے لیکن پھر اس نے خود ہی یہ ارادہ ترک کر دیا۔ مشکلوں سے تو اس کا موڈ ٹھیک ہوا تھا۔ وہ واپس ہونے کے لیے اٹھا تو راستے میں پڑے صوفے کو دیکھ کے ٹھٹکا۔ ایک خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں کوندا اور وہ فوراً صوفے پہ گرنے کے انداز میں ڈھیر ہو گیا۔

"وہ تو مجھے کل صبح ڈیوٹی کے بعد پھوپھی اماں کے گھر رہنے جانا ہے۔ صبح صبح تو نیند اور تھکن کے مارے اتنی بری حالت ہوتی ہے پریس سے ڈرائیو کرتے ہوئے یہاں تک۔ آگے سامان لے کر دوبارہ پھوپھی اماں کے گھر تک جانا کس قدر مشکل ہے اور ساری رات سامان ساتھ بھی تو نہیں رکھ سکتا۔ بریف کیس اور بیگ کی تو خیر ہے لیکن کمپیوٹر بھی ہے اور وہ جا کے نشین بھی۔ وہ سب تو ڈگی میں رات بھر نہیں چھوڑ سکتا۔ پارکنگ کی سیکورٹی تو ایک دم ناقص ہے۔"

واحد حل یہی تھا کہ وہ ڈیوٹی پہ نکلتے ہوئے راستے میں رک کر یہ سارا سامان پھوپھی اماں کے گھر پہنچا دے۔ اگر نیرا ساتھ ہوتی تو کسی قسم کی بدمزگی کا اندیشہ تھا اور ڈنر سے فارغ ہو کر اسے ڈراپ کرنے کے بعد یہ فریضہ انجام دیتا تو پریس سے لیٹ ہو جاتا۔ چار و ناچار اس نے اول الذکر حل پہ عمل کرنے کا سوچا اور دل کڑا کر کے نیرا کا سامنا کرنے کی ہمت مجتمع کرنے لگا۔ پہلے اس نے حفاظت کی مدد سے سارا سامان گاڑی میں منتقل کیا، اپنا کمرہ لاک کیا، کیبن کے علاوہ تمام لائٹس آف کر کے وہ خاموشی سے سیڑھیاں اترا۔ نیچے لاؤنج میں انکل کیبل سے دل بہلا رہے تھے۔

"ہاں بھئی ابراہیم! بڑے دنوں بعد سامنا ہوا۔"

"جی بس وہ مصروفیت ہی کچھ ایسی رہی۔ امی اور ابو لاہور سے آئے ہوئے تھے انہیں حج کے لیے روانہ کرنا تھا۔"

وہ صوفے پہ بیٹھتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ نیرا کے روم سے ٹیپ پلیئر کا Evening Party حلق پھاڑ رہا تھا۔

"بھئی۔ تمہاری آنٹی تو کسی پارٹی میں گئی ہیں۔ نیرا اندر ہی ہو گی۔ جاؤ چلے جاؤ۔"

انہوں نے ریموٹ پہ بے چینی سے انگلیاں حرکت دیتے ہوئے کمال بے اعتنائی سے اجازت دی۔ پچھلے دو تین ماہ میں انکل اور آنٹی دونوں کے کھلے ذہن سے ابھی خاصی آگاہی ہو جانے کے باوجود وہ اس اجازت پہ ہکا بکا رہ گیا۔

"جی؟؟" اسے لگا شاید سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ بھلا انکل اپنی بیٹی کے کمرے میں ایک جوان جہان کرائے دار کو جانے کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں۔

"تم تو جانتے ہو وہ تیار ہونے میں کتنا وقت لیتی ہے۔ کب تک یوں بیٹھے انتظار کرتے رہو گے۔ اس کا والیوم میں بج رہا ہے۔ یہاں سے آوازیں تو کبھی نہ سن سکے گی۔ جاؤ شاباش بلا کے لاؤ اسے۔ تمہیں دیر ہو رہی ہو گی۔"

انہوں نے بعد اصرار ابراہیم کو اٹھایا۔ شش و پنج کا شکار ابراہیم کوریڈور تک جا کے ابھی ذرا سا پلٹا تو اچٹتی سی نظر ٹی وی اسکرین تک گئی اور آنکھیں جیسے پوری کھل گئیں۔ چینل ایک بار پھر چینج ہو چکا تھا۔ فیشن ٹی وی پہ انکل اس وقت بلیک بیوٹی نومی کیمبل کی کیٹ واک دیکھ رہے تھے اور شاید یہی وجہ تھی اسے فوراً سے پیشتر لاؤنج سے غائب کرنے کی۔ وہ لاحول پڑھتا دائیں جانب مڑ گیا۔ وہ تین بار زور زور سے ناک کرنے کے بعد دروازہ کھلا اور نیرا کی صورت نظر آنے سے پہلے اس کی آواز سنائی دی۔

"اوہو کیا ہے پاپا؟" وہ جھلائی پھر اسے دیکھ کر چپ سی گئی۔

"بس دو منٹ۔ آجاؤ۔" کیمل کلر کی لانگ اسکرٹ کے اوپر اس نے ہاف ریڈ کلر کی ہائی نیک پہن رکھی تھی اور ان ہی دو رنگوں کے امتزاج کا خوبصورت اسکارف اس کی لانبی گردن پہ لپٹا ہوا تھا۔ ریڈ لپ اسٹک اس کے بے تحاشا گوری رنگت والے چہرے پہ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

"بس یہ شوز پہن لوں تو نکلتے ہیں۔" ہینڈ بیگ شولڈر بیگ شانے پہ لٹکا کر ہائی ہیل سینڈل میں پاؤں پھنساتے ہوئے اس نے نظر اٹھا کر ابراہیم کو تسلی دینا چاہی۔ اس نے غور کیا نیرا کی آنکھوں کا رنگ بھی تبدیل ہو چکا تھا۔ کچھ دیر قبل اس نے گرے لینس لگا رکھے تھے اور اب لائٹ براؤن لگے ہوئے تھے۔

"وہ۔ نیرا کیا ہوا کہ۔ دراصل ابھی ابھی آفس سے فون آیا ہے کہ کوئی ایمرجنسی ہے مجھے ڈیوٹی پہ وقت سے پہلے پہنچنا ہو گا تو اس وجہ سے۔" نیرا کی نگاہیں اسے بوکھلائے دے رہی تھیں۔

"تو۔ تو کیا۔ کسی بھی طرح کہہ دو کہ مجھے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ یہی بات ہے نا؟" غصے سے کہتے کہتے نیرا ایک دم بیڈ پہ گر کر سسکنے لگی تو وہ اور بھی بوکھلا گیا۔

"او پلیز نیرا! پلیز روؤ مت۔ بچوں کی طرح بی ہیو مت کرو۔ ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ میری جاب۔ سیٹل ہونے میں ٹائم لگے گا۔ میں اپنی ڈیوٹی آور ٹرم

اغوا نہیں کر سکتا۔"
"مجھے تو اغوا کر سکتے ہو؟"
"ہرگز نہیں۔ لیکن تم تو میری پرابلم سمجھو۔ اچھا دیکھو' پکا پرامس ہوٹل نہ صرف ڈنر کریں گے بلکہ آؤٹنگ پہ بھی چلیں گے۔"
"میں اسلام آباد جاؤں گی۔ سپر مارکیٹ میں بڑے اچھے نئے ریسٹورنٹ آئے ہیں۔ کب سے ماما سے کہہ رہی ہوں لے چلیں۔"
"اوکے۔۔۔ ڈن۔۔۔" بمشکل بہت سے وعدوں' تسلیوں سے بہلا کر وہ یہاں سے نکلا۔ اگر سچ بتاتا تو شاید زیادہ دیر لگ جاتی وضاحتوں میں' جب وہ راجہ بازار میں بالاؤ مارکیٹ کی بیک پر بنیا محلہ میں پہنچا تو آٹھ بجنے والے تھے۔ عاکف لپک کے آیا اور اس کا سامان اندر پہنچانے لگا۔
"آپ۔۔۔ آپ تو صبح آنے والے تھے۔" صدف نے کچھ حیرت کچھ پریشانی سے پوچھا تو وہ چڑ گیا (ایک تو یہاں آنے کی وجہ سے ابھی تک نیرا کے ساتھ سر کھپانا پڑا اور یہ محترمہ اعتراض کر رہی ہیں کہ آپ تو صبح آنے والے تھے)
"واپس چلا جاتا ہوں۔" بے حد خشک انداز میں کہے گئے اس مختصر جملے نے صدف کو مزید حیران پریشان کر دیا۔
"جی؟ میرا مطلب یہ نہیں تھا میں تو صرف۔۔۔"
"میں صبح ہی آؤں گا ابھی صرف سامان لایا ہے۔" صدف کے چہرے کے اڑتے رنگوں کو دیکھ کر اس کا دل پسیج گیا۔ اب وہ قدرے نرمی سے بولا۔
"آپ جا رہے ہیں؟"
"جا رہا ہوں۔۔۔ نہیں۔ ایسا کرو مجھے کھانا لا دو' میں آل ریڈی خاصا لیٹ ہو چکا ہوں۔ نو بجے تک مجھے پولیس پہنچنا ہے۔ میں نے آج لنچ بھی نہیں کیا۔"
وہ بھوک کا احساس ہوتے ہی وہیں بیٹھ گیا۔ اب تو خاصے دن یہاں ہی رہنا تھا' تکلف کیسے دیر تک چلتا۔ ویسے بھی ریسٹورنٹ جانے کا ٹائم بھی تو نہ رہا تھا اور نہ اسے تکلیف نہ دیتا کیونکہ اس وقت وہ دس بارہ بچوں میں گھری بیٹھی انہیں ٹیوشن دے رہی تھی۔
"آپ نے لنچ بھی نہیں کیا؟" وہ بچوں سے اٹھی۔ پریشانی سے رنگ مزید گہرے ہو گئے۔
ابراہیم نے سر جھٹکا (محترمہ کو ہوتی نظر آنے کا نوں ہی مراق ہے) ساتھ ہی کچن میں کھٹر پٹر کی آوازیں اور عاکف کو پڑھانے والی بلند پکاریں سنائی دینے لگیں۔
دس منٹ یونہی گزر گئے تو ابراہیم نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے ٹائم دیکھا۔
"ہو سکتا ہے' پڑھانے کی مصروفیت میں اس نے اب تک کھانا تیار ہی نہ کیا ہو۔ اس نے سوچا اور کمرے سے باہر جھانک کے دیکھا۔ مونی ایک ہاتھ میں چارہ اٹھائے اور دوسرے ہاتھ سے بکرے کی رسی تھامے اندر گھسیٹ لا رہی تھی۔
"آپ نے راجو کو دیکھا؟" جواباً ابراہیم نے ایک سرد گھوری۔ پچھلے تین ماہ میں وہ جتنی بار بھی اس گھر میں آیا۔ مونی نے اپنے لاڈلے بکرے کا تعارف اسی سے ہی کہہ کر کروایا تھا۔
"دیکھیں ذرا' کتنا موٹا اور تگڑا ہو گیا ہے۔ میں روزانہ اسے اپنے ہاتھ سے "پٹھے" (چارہ) ڈالتی ہوں۔ ہنی جان تو کہہ گئی ہیں کہ راجہ کی طرف سے میں مونی کی وجہ سے بالکل بے فکر ہوں۔"
"اسے لے جا کہاں رہی ہو؟"
"اندر کچن کے ساتھ والے اسٹور میں باندھوں گی۔ رات کو سردی ہوتی ہے صحن میں۔"
"تمہاری آپا کہاں ہیں؟"
"میری آپا؟" اس کی بڑی بڑی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ "میری تو کوئی آپا نہیں۔"
"وہ جو ہے۔۔۔ وہ صدف؟" وہ سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔
"اچھا۔۔۔ آپی۔۔۔ وہ تو آپی ہیں اور عزت کو میں باجی کہتی ہوں۔"
ابراہیم اس وقت آپا' آپی اور باجی کے درمیان فرق تلاش کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اٹھاتے ہوئے کہنے لگا۔
"میں جا رہا ہوں' دروازہ لاک کر لو۔"

"کھانا لگ گیا ہے' میں نے ٹیبل لگا دی ہے۔"
عقب سے صدف کی نرم سی آواز پہ پلٹا۔ دل تو چاہا انکار کرتا ہوا سیدھا باہر نکل جائے لیکن اتنی شائستہ سی پیشکش پہ یوں بدتمیزی کا مظاہرہ کرنا خود اسے مناسب نہ لگا۔ خاموشی سے آکر ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھ گیا۔ سادگی سے آتی تازہ سلاد' ڈائننگ پہ رکھی چھوٹی ہوئی گاڑھی مونگ کی کھچڑی' بنی ہوئی دال اور لیموں کا اچار ٹیبل پہ سجا ہوا تھا۔ اگلے ہی لمحے صدف نے سفید دسترخوان میں لپٹے گرم گرم پھلکے اور شیشے کی بیضوی پلیٹ میں سنہری تلے ہوئے شامی کباب بھی آگے دھر دیے۔
"عاکف کہاں ہے؟" اسے اکیلے کھانا کھانا مناسب معلوم نہ ہوا تو دریافت کر بیٹھا۔ اسی اثنا میں کال بیل کی آواز آئی۔
"لو شیطان کا نام لیا اور شیطان حاضر۔"
مونی جست لگا کے باہر دروازہ کھولنے گئی۔ عاکف نے آتے ہی ہاتھ میں پکڑا شاپر کھولا اور ٹیبل پہ موجود خالی پلیٹ میں گرما گرم چکن تکے الٹنے لگا۔
"سوری بھائی جان! تھوڑی دیر ہو گئی' رش بہت تھا۔"
"اس کی کیا ضرورت تھی؟" وہ شرمندہ ہو گیا۔ "جب گھر میں کھانا پکا ہوا تھا تو باہر سے لانے کی کیا ضرورت تھی۔"
"دراصل مجھے علم نہیں تھا کہ آپ رات کو۔۔۔ غلطی میری ہی ہے مجھے آپ کے لیے اہتمام کر کے رکھنا چاہیے تھا۔" صدف اس کی پلیٹ میں تکے اٹھا اٹھا کے رکھنے لگی۔
"اہتمام کس لیے؟ میں کوئی مہمان ہوں اور پلیز آئندہ یہ تکلف مت کرنا ورنہ مجھے یہاں اطمینان اور بے تکلفی سے رہنے میں مشکل پیش آئے گی۔"
اس نے پھر بھی ان کے نامساعد گھریلو حالات اور سادہ طرز زندگی کی وجہ سے کہا ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ مونگ کی دال اور اچار دیکھ کر اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ وہ پہلے اتنا چٹورا ہرگز نہ تھا اگرچہ دال اور سبزی بچپن سے ہی زیادہ نہ بھاتی تھی لیکن پھر بھی امی جان کھانا

متوازن ہی رکھتیں۔ ہفتے میں ایک آدھ بار منہ کا ذائقہ بدلنے کو دال بھی کھائی جاتی لیکن جب سے وہ چکلالہ میں بنے فرینچ ولاز اسکیم کے اس آف وائٹ دیواروں اور گرین دروازوں والے بنگلے میں بطور پے انگ گیسٹ آیا تھا' اسے نت نئے پر تکلف کھانوں کی چاٹ پڑ گئی تھی اور نیرا سے دن بدن بڑھتی دوستی نے اسے ہوٹلنگ کی لت بھی ڈال دی۔ لیکن جو بھی تھا' پھوپھی اماں کی غیر موجودگی میں وہ ان کے گھرانے کو زیر بار نہ کرنا چاہتا تھا اس لیے دل ہی دل میں ارادہ کر لیا کہ جتنے دن وہ یہاں رہے گا' وہ تمام رقم صدف کو دے دیا کرے گا جو کہ وہ دو وقت کے کھانے اور ناشتے کی مد میں سامن آنٹی کو الگ سے پکڑایا کرتا تھا (کرائے کے علاوہ)

☆ ☆ ☆

اسے یہاں آئے تیسرا روز تھا۔ اور پچھلے دو دن جو اسے نیرا کی ناز برداری کرنا پڑی تھی اسے ایسا لگنے لگا تھا کہ جیسے اس نے یہاں آ کر کوئی جرم کر لیا ہے' جس کی پاداش میں اسے اپنی تو جیسی تیسی نیرا کی شاپنگ پہ لٹانی پڑی۔ کبھی کبھی تو اسے نیرا کا رویہ بڑا عجیب سا لگتا۔ اس کی بے تکلفانہ فرمائشوں پہ ٹھٹک بھی جاتا لیکن پھر اس کے حسین چہرے پہ چھائی حد درجہ معصومیت اور لہجے سے ٹپکتا بچگانہ اشتیاق کوئی غلط خیال دل میں آنے نہ دیتا۔

"اور کچھ نہیں ابھی طبیعت میں لاپروائی زیادہ ہے اور پھر مجھے اپنا سمجھتی ہے' اسی لیے تو بے تکلفی سے فرمائش کرواتی ہے۔"

وہ سر جھٹک دیتا۔ لیکن ان دو دنوں میں جس طرح نیرا نے اسے بوتیکس' کریڈی شاپس' جیولرز اور ریسٹورنٹس میں ریڈ کروائی تھی۔ وہ پکا ارادہ کیے بیٹھا تھا کہ بیماری کا بہانہ بنا کے کچھ دن اس سے بالکل ملنے نہیں جائے گا۔ شکر ہے کہ یہاں کا ایڈریس اس کے پاس نہیں تھا۔ ہاں موبائل پہ وہ بار بار آنے کا اصرار ضرور کر سکتی ہے لیکن فون پہ جھوٹ بولنا کون سا مشکل کام تھا۔

وہ ابھی ابھی سو کے اٹھا تھا۔ دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ منہ ہاتھ دھو کر وہ کچھ دیر نرم گرم سی دھوپ لینے کے ارادے سے صحن میں نکلا لیکن کونے میں بندھے "راجہ" کے شور اور گندگی کی بدبو نے پل بھر ٹھہرنے نہ دیا وہ پلٹ کر اندر جانے کو تھا کہ کال بیل کی آواز پہ مڑا۔ دروازہ کھولا تو صدف سامنے تھی۔ آہستہ سے سلام کرتی وہ اندر آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں کینو اور امرود کے تھیلے تھے۔ وہیں تخت پہ دھر کے موتی کو آواز دی۔

"جی آپی۔"

"موتی! صرف چارہ ڈال دینے سے تو ذمہ داری پوری نہیں ہو جاتی' دیکھو ذرا کس قدر گند پھیلا ہوا ہے صحن میں۔ میں صبح ساری جھاڑو دے کے اور پورا کونا فینائل سے دھو کے گئی تھی۔ تم کم از کم بکھرا ہوا چارہ تو جھاڑو سے ایک طرف لگا دیتیں۔ چلو ساری صفائی کرو صحن کی۔"

"اوئے بھی کیس۔" وہ منمنائی۔

"ہائے وے۔ یہ عید سے کئی کئی ماہ پہلے بکرا خریدنا اور پھر اسے اتنے ناز و نعم سے پالنا کیا بہت ضروری ہے؟"

"ضروری تو خیر نہیں لیکن یہ ہمارے گھر کی روایت بھی ہے اور ضرورت بھی۔ آپ نے کھانا کھا لیا؟" اس نے کچن کی طرف مڑتے ہوئے اچانک سوال کیا۔

"نہیں۔ مجھے تو جاگے ہوئے ابھی کچھ ہی منٹ ہوئے ہیں۔"

"تو کیا" اسی وقت جاگا کرتا جب صدف اسکول سے آنے والی ہوتی یا کچھ دیر قبل آئی ہوتی اور وہ سوال کرنا کبھی نہ بھولتی تھی۔ بلکہ جب صبح سویرے ٹیوشن سے واپس آتا تو وہ اسکول جانے کے لیے تیار ہوتی لیکن اس کے ناشتے سے غافل نہیں ہوتی تھی' تمام تیاریاں مکمل ہوتیں' ہاٹ پاٹ میں سنک کر رکھے پراٹھے' پلیٹ میں دم کی ہوئی چائے اور باؤل میں آملیٹ کے لیے پھینٹا ہوا آمیزہ۔ صدف جاتے جاتے کسی نہ کسی طرح جھنجھوڑ کے موتی کو جگانے کے بعد کچن میں لا کھڑا کرتی اور وہ جمائیاں لیتے ہوئے فرائی پان میں پڑا آمیزہ الٹ کر تلنے کی زحمت گوارا کر لیتی۔

ابراہیم کو صدف کے اسٹیمنا پہ حیرت بھی ہوتی تھی اور رشک بھی آتا تھا۔ کئی گھنٹے پرائمری کلاسز کے بچوں کے ساتھ سر کھپا کے آنے کے بعد بھی وہ کمال کی تازہ دم ہوتی' آتے ہی گھر کے سب کاموں کو اپنے ذمے لے لیتی۔

وہ اس کے پیچھے ہی کچن میں چلا آیا کیونکہ عاطف گھر پہ تھا اور موتی کو ابھی اس نے دال چاول کی بھری پلیٹ سے نبرد آزما دیکھا تھا۔ اس لیے مناسب نہ سمجھا کہ صرف اس کے لیے وہ ٹیبل سجائے۔

"یہیں کھا لیتا ہوں میں بھی۔"

کاؤنٹر کے نزدیک موڑھا گھسیٹ کے وہ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ وہ چپ چاپ ڈش میں چاول نکالنے لگی' ایک ڈونگے میں دال نکالنے کے بعد اس نے چھوٹے ڈونگے میں فرائی پان میں بھون کے رکھا قیمہ نکالا تو ابراہیم کا دھیان پھر اس طرف چلا گیا کہ صرف اس کی وجہ سے اسے دونوں وقت خاص اہتمام کرنا پڑتا ہے ورنہ وہ قیمہ اتنی کم مقدار میں نہ ہوتا۔ اس نے اپنی لاپروائی اور بے فکری پہ خود کو ڈپٹا اور اسے فریج سے آٹا نکالتے دیکھ کے فوراً "منع" کرنے لگا۔

"اگر اپنے لیے روٹی پکا رہی ہو تو ٹھیک ہے میرے لیے مت پکانا۔ میں چاول ہی کھاؤں گا۔"

صدف نے بھی اصرار نہ کیا۔ پہلے ابراہیم نے تھوڑے سے چاولوں پہ وہ کالی کالی گاڑھی دال ڈالی اور سفید چاول اور کالی دال کے کلر کمبی نیشن پہ غور کرتا ہوا جھجک کے کھانا شروع ہوا۔ اپنی شکل و صورت سے قطع نظر دال کا ذائقہ خوشگوار حد تک اچھا تھا یعنی حیرت ہو گئی۔

"اس دال کا نام کیا ہے؟" وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

"ثابت مسور۔ آپ نے پہلے کبھی نہیں کھائی؟"

"نہیں... کھائی تو ہو گی... کیوں نہیں... بس نام یاد نہیں رہتے۔"

اس نے بتانا ضروری نہ سمجھا کہ ایسی گاڑھی بنی ہوئی دالیں یوں چاولوں پہ الٹ الٹ کے کبھی نہیں کھائیں۔ کبھی کبھار خوب مسالے والی ماش کی بھنی دال کھا لیا کرتا تھا یا عرصے بعد اگر امی جان چنے پکاتیں اپنے مخصوص لاہوری انداز میں۔ لیکن آج گاجر اور ہری مرچ کے اچار اور املی کی چٹنی کے ساتھ دال چاول کھانے میں اسے واقعی لطف آ گیا۔ کچھ دیر بعد عاطف بھی آ گیا۔ قیمہ دیکھ کے اس نے [illegible] کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

"صبر کرو پھر کھانا ختم کر کے ڈالتی ہوں روٹی۔"

"یہ موتی کس مرض کی دوا ہے؟" ابراہیم نے پوچھا۔

"وہ تو خود مرض ہے اور وہ بھی لاعلاج۔"

عاطف نے قہقہہ لگایا پھر اٹھ کے توا چولہے پہ رکھنے لگا۔ فریج سے آٹا نکال کے بھی باہر رکھ دیا۔

"ابراہیم بھائی! آپ کا تو برتھ ڈے بھی قریب ہے' کیا خیال ہے پارٹی ہو جائے۔"

اسے نجانے کہاں سے خیال آ گیا۔ خود ابراہیم بھی حیران رہ گیا۔

"میرا برتھ ڈے... ابھی کہاں' ابھی تو فروری ہے۔"

"لیکن آپ کو اتنا بھی نہیں پتا کہ آپ بڑی عید یعنی بقر عید کو پیدا ہوئے تھے ہم تو امی جان سے ہزاروں بار یہ واقعہ سن چکے ہیں کہ کس طرح عین عید والے دن آپ نے رونق افروز ہو کے عید کی خوشیاں دوبالا کر دی تھیں اور اسی عید کی مناسبت سے آپ کا نام رکھنے کا فیصلہ ہوا تھا' آپ کی دادی محترمہ تو آپ کا نام بکر دین یا عید محمد عرف عیدو رکھنے پہ بضد تھیں یہ تو ہماری امی جان نے بیچ میں پڑ کر ابراہیم نام تجویز کیا' عید الاضحیٰ اور قربانی کے حوالے سے یہ نام سب کو پسند آیا اور سب ہی اس پہ متفق ہو گئے۔"

"واقعی... پھر تو واقعی پھوپھی اماں نے بڑا احسان کیا مجھ پہ۔"

ابراہیم نے تصور میں خود کو "عیدو" "عیدو" کی

صدائیں پڑھتے دیکھ کے جھرجھری لے کر کہا۔
"ہمسائی جان نے کبھی یہ واقعہ آپ کو نہیں سنایا؟"
"دراصل مجھے اپنے بچپن کے قصے سننے سے خود ہی کوئی دلچسپی نہیں۔" اس نے صاف گوئی سے اعتراف کیا۔
بچپن کی حماقتیں اور لڑکپن کی بدحواسیاں سوائے شرمندگی کے اور دیتی بھی کیا ہیں جو انہیں دہرایا جائے۔
"ہنسنے مجھے تو بڑا مزا آتا ہے۔ کوئی کہے نہ کہے میں خود ہی عمر رفتہ کو آواز دے لیتا ہوں۔ جیسے کہ ہر سال بڑی عید آتے ہی مجھے بچپن کی وہ تمام بقر عیدیں یاد آجاتی ہیں جس میں قربانی سے کچھ دیر قبل میں اپنے تمام "راجاؤں" سے لپٹ لپٹ کے دھاڑیں مارا کرتا تھا اور ابو اور چاچا کو مجبوراً ہاتھ پہ دانت تک گاڑ دیا کرتا تھا رسّی چھڑوانے کے لیے۔ اتنے مہینوں کے ساتھ سے قربت اور انسیت تو ہو ہی جاتی ہے۔ وہ تو اب بھی ہوتی ہے۔ لیکن بچپن کی محبتیں بڑی زور آور، شدت پسند ہوتی ہیں ۔۔۔ ہے نا؟" وہ کہیں کھو سا گیا۔
"تو پھر اتنے دن پہلے بکرا پالنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ پالتو جانور کی طرح اس کی سیوا کی جائے، لاڈ اٹھائے جائیں، نہلایا دھلایا جائے اور پھر اپنے ہاتھوں سے قصائی کے سپرد کرتے ہوئے دل کانپتا تو ہوگا اور بچپن میں تو یوں بھی دل زیادہ حساس ہوتا ہے۔ کیا ضرورت ہوتی ہے بچوں کے کچے ذہنوں کو یوں جھٹکا لگانے کی۔ میں ابھی صدف سے یہی پوچھ رہا تھا۔"
ابراہیم نے خاموشی سے کھانا کھاتی صدف کو گفتگو میں شامل کیا۔
"میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ یہ ہماری ضرورت بھی ہے اور کئی سالوں سے اب روایت میں بھی شامل ہے۔ پہلے میں ضرورت کی وضاحت کر دوں۔ ضرورت اتنی اشد اور ناگزیر بھی نہیں بس سہولت کہہ لیجیے۔ آپ جانتے ہیں قربانی ہر صاحبِ استطاعت پر فرض ہے اور اس استطاعت کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ بہت سے لوگ عید کے نزدیک اخراجات زیادہ ہو جانے کی وجہ سے بکرا لے نہیں پاتے۔ ان دنوں قیمتیں بھی آسمانوں سے باتیں کر رہی ہوتی ہیں۔ عام درجے کا بکرا بھی چار ہزار سے کم نہیں ملتا۔ لوگ ڈیڑھ دو ہزار جیب میں ڈال کر بکرا منڈی جاتے ہیں اور ناکام لوٹ کر بڑی آسانی سے خود کو صاحبِ استطاعت افراد کی لسٹ سے خارج کر کے قربانی کے فریضے سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں جبکہ اکثریت ان میں سے ایسی نہیں ہوتی۔ اگر کچھ عرصہ پہلے ہی وہ لوگ پلان کر کے واقعی قربانی کی نیت سے روز کچھ پس انداز کریں تو با آسانی اس فرض سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ امی جان نے اس کا حل یہ نکالا کہ اپنے ان عزیزوں اور ملنے والوں سے جو دیہات وغیرہ میں رہتے ہیں بکرے کا آرڈر دے رکھا ہے۔ گر قربانی کی نیت سے پالنا شروع کر دیا ہے۔ سستا پڑتا ہے۔ اگرچہ سال بھر اس کا چارہ وغیرہ کا خرچہ بھی ہوتا ہے لیکن یک مشت کئی ہزار نہیں دینے پڑتے اور رہا سوال اس کو پالنے دیکھنے بھالنے کی ذمہ داری کا تو قربانی کا جانور تو اللہ کا مہمان ہوتا ہے اگر عقیدت سے اس کی دیکھ بھال کی جائے تو میرا خیال ہے گراں نہیں گزرے گا۔"
"اور وہ جو دل میں ایک خاص انسیت پیدا ہو جاتی ہے اس جانور کے لیے تو کیا یہ اچھی بات ہے۔ اس طرح دل پہ جبر کرتے ہوئے اپنے ہی پالے ہوئے بکرے کو یوں قصائی کے ہاتھ میں دینا۔ اس سے تو بہتر ہے کہ ۔۔۔ میں تو یہی کرتا ہوں عموماً عید سے ایک دن پہلے بلکہ رات کو بکرا خرید کے لاتا ہوں، چند گھنٹے گھر میں بندھا رہتا ہے پھر صبح صبح قربانی کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔"
"فرض تو ادا ہو جاتا ہے لیکن دل قربانی کے مطلب سے ناآشنا ہی رہتا ہے۔ ہمیں تو امی جان نے یہی کہا ہے کہ اللہ کو تمہارے دنبوں، بکروں کی ضرورت نہیں۔ یہ فرض دراصل ہمیں اس واقعے کی یاد دلاتا ہے جس قربانی کی مثال تاریخ انسانی میں دوسری نہیں ملتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بنا کسی تامل کے اپنے لختِ جگر کو قربانی کے لیے پیش کر دیا اور عظیم قربانی تو اس اعلیٰ مقام بیٹے کی بھی تھی جس نے باپ کو اللہ کے حضور سرخرو کرنے کے لیے ایک سوال تک نہ کیا اور خاموشی سے اپنا سر قلم کرنے کے لیے جھکا دیا۔ ہم گناہ گار کہاں اس درجے تک پہنچ سکتے ہیں لیکن ہر بار "راجہ" کو اللہ کی راہ میں قربان کرتے ہوئے دل میں یہ تسلی تو ہوتی ہے کہ ہم محض ہزار سے خریدی ایک چیز نہیں قربان کر رہے بلکہ اللہ کی خوشنودی کے لیے اس کے عائد کیے ایک فرض کو نبھانے کے لیے اپنی ایک عزیز چیز پیش کر رہے ہیں۔ یہی تو قربانی کا جذبہ ہے۔
کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے سے محبت نہ تھی؟
کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنی جان اور زندگی پیاری نہ تھی؟ یقیناً ایسا ہی تھا لیکن اللہ کی محبت ہر محبت پہ غالب آگئی اور قربانی کا اصل مفہوم یہی ہے کہ ایک عزیز شے کو دوسری عزیز تر ہستی پہ قربان کر دیا جائے چاہے اس کے لیے دل کتنا ہی تڑپے، کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو مگر اس عزیز تر ہستی کی خوشنودی کی خوشی اتنی بڑی ہو کہ چھوٹے موٹے دکھ پل میں فنا ہو جائیں جو اس قربانی کا حوصلہ نہیں پاتا۔ وہ کسی سے محبت کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا۔"
اس کے طویل بیان نے ابراہیم پہ جیسے سکتہ طاری کر دیا۔ وہ گم صم سا بیٹھا ایک ایک لفظ اپنے اندر اتارتا رہا۔ بات ایک معمولی سے ہلکے پھلکے مسئلے سے شروع ہوئی تھی اور کتنی حقیقتیں اس پر آشکار کر گئی۔
"کیوں ابراہیم بھائی، ہے ناں میری بہن پکی پکی استانی۔ ایمان سے ... تنخواہ حلال کرنا کوئی اس سے سیکھے۔ ایک تنخواہ میں ڈبل ڈیوٹی بھگتاتی ہے۔ اسکول کے بچوں کے ساتھ ساتھ گھر والوں اور گھر آئے مہمانوں پہ بھی لیکچر برسانا اس پہ فرض ہے۔"
عاطف نے اسے مخاطب کرنا چاہا لیکن اس کا ذہن بری طرح الجھ چکا تھا۔ صدف کے جملے بار بار کانوں میں گونج رہے تھے۔
"ایک محبت پہ دوسری محبت غالب آجائے تو ۔۔۔"
"ایک عزیز ہستی کے لیے عزیز شے قربان کرنا ہی محبت ہے۔"
"جو قربانی کا حوصلہ نہیں پاتا۔ اسے محبت کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے۔"
"کیا میں ہی ملا ہوں آپ کو قربانی کے لیے؟" ابو جان سے کیا گیا وہ احتجاج اسے بے ساختہ یاد آیا۔
"بہت خوب بیٹا، ہمیشہ سے آپ کی خواہشیں آپ کی اور کوئی پرانے احسانوں کا بوجھ بھی آپ پر اور بھینٹ چڑھا رہے ہیں آپ "مجھے"۔ مجھ سے اس قربانی کی امید مت رکھیے۔"
اپنے ہی کہے گئے بے رحم الفاظ تھپڑ مارتے اس تک لوٹے، وہ سر جھکا کے رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ اکلوتا تھا تو نہیں لیکن اکلوتوں کی طرح ہی پلا۔ اس میں اور بڑے بھیا اویس علی میں تقریباً گیارہ سال کا فرق تھا۔ اس کی بڑی امی یعنی معظم علی کی پہلی بیوی اویس علی کی پیدائش کے ساتھ ہی وفات پا گئیں۔ کئی سال معظم علی نے یاسیت اور اداسی سے الجھتے گزار دیے۔
ان کی آپا نصرت آرا جن کی شادی طے تھی، ننھے اویس میں ایسی گم ہو کے رہ گئیں۔ ایسے میں شادی کا تصور انہیں ہلا کے رکھ دیتا۔ اگر وہ شادی کر کے گاؤں چلی جاتیں تو بوڑھی ماں کیا خود کو سنبھالتی اور کیا ننھے سے بن ماں کے پوتے کو۔ گھر بھر سے لڑ جھگڑ کے انہوں نے شادی رکوا دی۔ وہ شادی صرف بھائی کے دوبارہ گھر بس جانے تک ملتوی کرنا چاہتی تھیں لیکن ہوا یہ کہ رشتہ ہی ٹوٹ گیا۔ انہوں نے بھی ملال نہ کیا اور اللہ کی رضا جان کے سب کچھ اویس کو سمجھتے ہوئے تن جان سے اس کی پرورش کرنا شروع کر دی۔
چند سال بعد جب معظم ذرا سنبھلے اور زندگی کی رعنائیاں انہیں پھر سے اپنی جانب کھینچنے لگیں اور اس کے ساتھ ساتھ بہن کی بے آبادی بھی دکھ دینے لگی تو

دوبارہ گھر جانے کے لیے رضامند ہو گئے ساتھ ہی شرط عائد کر دی کہ نصرت آرا کا نکاح بھی ان کے ساتھ ہی پڑھوا لیا جائے۔

معظم علی اگرچہ پینتیس کے ہو رہے تھے، دوہاجو بھی تھے لیکن پھر بھی ایک اچھے گھرانے کی پڑھی لکھی خوبصورت لڑکی سعیدہ ان کی زندگی میں آ گئی لیکن نصرت آرا کی بدقسمتی آڑے آ گئی۔ بڑی مشکل سے رشتہ ملا اور کرامت حسین کے ساتھ بات طے ہو گئی۔ دونوں بہن بھائی کے گھر بس گئے۔ قسمت کی بات کہ معظم علی کے لیے تو یہ دوسری شادی بے حد مبارک ثابت ہوئی۔ ان کا کاروبار لاہور جا کے خوب پھلا پھولا۔ اب ان کا شمار خوشحال گھرانوں میں ہونے لگا جبکہ کرامت حسین تو معمولی سا پرچون فروش تھا اسی دکان تک محدود رہا۔

معظم علی نے گاہے بگاہے بہن کی امداد کرنا چاہی لیکن بہن سے بڑھ کے بہنوئی خوددار تھا اور پھر وہ اپنی اس سادہ زندگی میں راضی برضا تھے، دونوں میاں بیوی کو نہ تو تنگ دستی سے شکایت تھی نہ زیادہ کی تمنا اس لیے کبھی دکھڑے نہ روئے۔

رفتہ رفتہ معظم علی نے بھی بہن کے حالات سے سمجھوتا کر لیا۔ وہ اپنی زندگی میں مگن ہو گئے۔ سعیدہ اچھی فطرت کی خاتون تھیں۔ اویس کے ساتھ بھی سوتیلی ماں کا فرق نہ رکھا لیکن وہ لڑکپن کی حدود میں داخل ہوتا بچہ وقت سے پہلے سمجھ دار ہو گیا تھا اور رشتوں کی نزاکت سمجھنے لگا تھا۔ اس کے دل نے یہ رشتہ کچھ زیادہ خوشی سے قبول نہ کیا اور ہاسٹل میں رہنے کی ضد کی۔ مری کے بورڈنگ سے وہ لندن پڑھنے چلا گیا۔ اور پھر وہیں سے اپنی شادی کی اطلاع بھی بھیج دی۔ ماں باپ سے تو اس کی وابستگی قائم ہو ہی نہ سکی۔ بچپن میں لوریاں سنانے اور چمکنے والی پھوپھی اماں کو بھی یکسر بھول گیا جبکہ معظم علی اویس کے لیے اپنی آپا کی بیٹی ندرت کا خواب دیکھے بیٹھے تھے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے صبر کر لیا اور سعیدہ کی طرح اپنی توجہ ابراہیم پہ مرکوز کر دی جو پہلے ہی حد درجہ توجہ ملنے سے خود سر اور خود پسند ہو چلا تھا۔

تعلیمی میدان کی حد تک ابراہیم شروع ہی سے ذہین و فطین رہا لیکن دنیا داری کے معاملے میں یہ کورا ہی سا تھا۔ پریکٹیکل لائف میں داخل ہونے کے بعد بھی اسے انسانوں کو پرکھنے برتنے کا سلیقہ نہ آیا تھا۔ شاید آ بھی جاتا اگر وہ انسانوں سے اس طرح گھبرا کر لاتعلق رہنے کا عادی نہ ہوتا۔ اس کی خود پسندی نے کبھی کوئی قریبی دوست بنانے نہ دیا۔ بھائی سے ویسے بھی عمر اور ذہن کا کئی برس کا فاصلہ تھا اور باقی رشتے بھی برائے نام ہی تھے۔ دو ماموں تھے ایک جرمنی میں اور دوسرے کراچی میں۔ کراچی والے ماموں سے بھی بس اتنا ہی رابطہ و واسطہ تھا جتنا کہ جرمنی والے ماموں سے۔ یعنی عید کے عید کارڈ اور سال میں ایک آدھ فون تک محدود۔

نانا نانی تو خیر اس کی پیدائش سے پہلے ہی گزر چکے تھے، دادا دادی بھی ہوش کی عمر تک آتے آتے وفات پا گئے۔ لے دے کے ایک پھوپھی اماں ہی تھیں۔ وہ اگرچہ پنڈی میں رہتی تھیں لیکن خاصا آنا جانا لگا رہتا۔ وہ تو سال میں ایک آدھ بار خصوصاً بچوں کی گرمیوں کی چھٹیوں میں ضرور ہی چند دن میکے یعنی بھائی کے گھر رہنے آتیں لیکن بچے بھی بڑے ہوئے اور پھوپھا جان کا بھی انتقال ہو گیا، یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

ابو جان البتہ کاروبار کے سلسلے میں پنڈی آتے جاتے رہتے تھے اور ہر بار ہی امی جان بڑے اہتمام سے موسم کے لحاظ سے بڑی نند کے لیے سوٹ اور بچوں کے لیے مختلف چیزیں تحفتاً بھیجتی رہتیں۔ بچپن میں وہ بھی دو تین بار پنڈی ہو آیا۔ لیکن جب جاب کے سلسلے میں اسے مستقل پنڈی شفٹ ہونا پڑا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے بار بار پھوپھی اماں کے گھر آنا پڑا اور یوں یہ سلسلہ چل نکلا۔

اس کا رجحان شروع ہی سے جرنلزم کی طرف تھا۔ ابو جان نے اسے اپنے بزنس کی طرف راغب کرنے کی بڑی کوشش کی پر ناکام ہو کے یہاں تک پیشکش کی کہ وہ اس کے لیے ذاتی اخبار یا ماہنامہ وغیرہ نکالنے پہ تیار ہیں لیکن ابراہیم نے انکار کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ میگزین نکالنا آسان اور چلانا کتنا دشوار ہے۔ اس کے لیے تجربہ چاہئے اور اس سے بھی بڑھ کے نام جو وہ کسی مشہور اشاعتی ادارے سے منسلک ہو کے بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اس نے ابو جان کی آفر شکریہ کے ساتھ یہ کہہ کر لوٹا دی کہ وہ کم از کم آٹھ دس سال بعد اس پہ غور کرے گا۔

ملک کے سب سے کثیر الاشاعت روزنامے سے منسلک ہوتے ہی اس کی ٹرانسفر پنڈی برانچ میں ہو گئی۔ وہ جانے کی تیاری کر رہا تھا جب امی اور ابو نے اسے نصرت کے ہاں ٹھہرنے کی تاکید کی۔ لیکن اس کے سختی سے انکار کر دینے کے بعد دوبارہ اصرار نہ کیا وہ بھی اپنے تنہائی پسند اور کم گو بیٹے کے مزاج سے واقف تھے لیکن اسے وقتاً فوقتاً پھوپھی کے ہاں جاتے رہنے کی نصیحت ضرور کی جو اس نے سر جھکا کے سن لی۔

بعد میں نجانے کس وجہ سے مگر پہنچتے ہی وہ ضرور وہاں جا آ رہا۔ حالانکہ پہلے اس کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔ بچپن کا کوئی ایسا خوشگوار واقعہ نہ تھا جس کی کشش اسے اس گھر تک کھینچتی۔ اسے یاد تھا کہ وہ جب بھی ایک آدھ روز کے لیے پنڈی آیا اچھا خاصا بور ہوا کرتا تھا۔ عاکف اس سے خاصا چھوٹا تھا اور جھگڑالو اور ضدی بھی جبکہ ندرت، صدف تقریباً اس کی ہم عمر تھیں۔ ندرت ایک سال بڑی جبکہ صدف چھ سات ماہ چھوٹی۔ لیکن لڑکیوں سے کھیلنے کا اسے کبھی شوق نہیں رہا تھا۔ اس لیے ایک کونے میں بیٹھا عمران سیریز پڑھتا رہتا۔ پھوپھی اماں کی گود میں ایک گوری سی روئی جیسی ننھی سی بچی بھی دیکھی جو اسے صدف اور عاکف کی "بہن" ہی لگی۔ بعد میں بڑا ہونے کے بعد پتا چلا کہ یہ بچی پھوپھی اماں کے جیٹھ کی بچی تھی۔

وہ دونوں میاں بیوی ایک ٹریفک کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے تھے اور جاتے جاتے وہ دونوں مرحوم کسی وجہ سے ننھی بچی کو پھوپھی کے حوالے کر گئے تھے اس لیے انہوں نے اسے حکم الٰہی سمجھ کے خود پہ فرض کر لیا اور تاحیات بچی کی ذمہ داری کا بیڑا اٹھا لیا۔

کم ہی لوگ جانتے تھے کہ وہ ان کی سگی بیٹی نہ تھی۔ وہ تو جب وہ بچی کہہ کر پکارتی تو پتا چلتا۔

سالوں بعد اسے دیکھنے پہ بھی ابراہیم کو ایسا لگا جیسے وہ ویسی کی ویسی ہی تھی۔ روئی روئی، ناک سکیڑتی، دھڑ دھڑ چلتی، سر کھجاتی اور صدف کی جھڑکیاں کھاتے مسکراتی۔ ہاں شکل و صورت خوب نکھر گئی تھی۔ رنگ گورا تو بچپن سے تھا۔ اب گلابی بھی ہو گیا۔ گول گپا سا منہ اب بیضوی ہو چکا تھا اور پُر گوشت گالوں میں کھو سی جانے والی آنکھیں اب بڑی بڑی سی نرگسی صورت اختیار کر چکی تھیں۔ ناک البتہ ویسی کی ویسی موٹی پکوڑا سی تھی۔ اس کی شخصیت میں ایسی کوئی بات نہ تھی جو ابراہیم توجہ دیتا۔ یہ تو ابو جان تھے جنہوں نے اس کی توجہ اس طرف دلائی اور وہ سنتے ہی بھڑک اٹھا۔ اسے ابو جان کا یہ فیصلہ سراسر ناانصافی لگنے لگا۔ وہ تو کچھ اور سوچے بیٹھا تھا۔ نیز اگلے سال ابو جان سے کرنے کا ارادہ تھا لیکن انہوں نے بات ہی ایسی کی کہ وہ بھڑکتے سے اکھڑ گیا۔

"ابو جان! آپ جانتے بھی ہیں کیا کر رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا آپ نے کیا سوچ کے یہ بات کی۔ آپ نے دیکھا ہی کیا ہے؟"

"میں نے آپا کی شکستگی دیکھی ہے۔" وہ آہستہ سے بولے۔ "بُرے سے بُرے حالات میں اور کڑی سے کڑی آزمائش میں بھی میں نے ان کا حوصلہ ٹوٹتے نہ دیکھا تھا۔ لیکن اب وہ تھکنے لگی ہیں، ہارنے لگی ہیں۔ ان کے لہجے سے چھلکتی مایوسی مجھے مجرم سا بنا رہی ہے۔ وہ ساری زندگی صبر اور قناعت سے کام لیتی رہیں لیکن ندرت اپنے حالات سے سمجھوتا نہیں کر پا رہی۔ آپا بھی کیا کریں۔ بھائی جان کے جیسے حالات تھے ان میں اعجاز جیسا رشتہ ہی مل سکتا تھا لیکن غربت کے ساتھ ساتھ اس میں بد مزاجی اور مفت خوری جیسی عادتیں بھی ہیں۔ آپا داماد اور سمدھیوں کے مطالبات پورے کرتے کرتے ہلکان ہو رہی ہیں۔ عاکف ہے تو کام دھندے سے نہیں لگ رہا۔ ایسے میں بیچاری صدف ہی سارے گھر کا بوجھ سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ

چار، پانچ سال سے اپنے چچا کے گھر رہائی ہوئی ہے۔ باقاعدہ منگنی تو نہیں مگر بات طے ہے۔ آپا کی بیٹی ہے اس لیے وہی وصف ہیں، وہی جذبے ہیں۔ بھائی کے بیٹے وہاں پر کھڑے ہونے سے پہلے شادی کرنے پہ تیار نہیں ہے۔ دو سال سے آپا دو پر کو ٹال رہی ہیں۔ آخر صدف کی تنخواہ اور ٹیوشنوں سے گھر کے خرچے چلتے ہیں۔ میں نے آپا سے بات کی ہے۔ عاکف کو لاہور لے جاؤں اپنے ساتھ کاروبار پہ لگاؤں۔ تم تو اپنی ملازمت میں مصروف ہو۔ انہیں صدف کا گھر جلد از جلد بسا لینے کا شوق بھی دیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تاریخ خود کو دہرائے اور آپا کی طرح صدف بھی عمر کے سنہری سال قربانی میں گزار کر اچھے رشتے کی آس میں بیٹھی رہ جائے لیکن آپا کا کہنا ہے کہ وہ صدف کے ساتھ ساتھ موحی کو بھی گھر بار کا دیکھنا چاہتی ہیں۔ وہ موحی کو اپنی ذمہ داری سمجھتی ہیں۔ دنیا اور آخرت میں سرخرو ہونے کے لیے کسی اچھی جگہ اسے بیاہنا چاہتی ہیں۔ جلد بازی میں عورت والی غلطی دہرا کے دنیا کو باتیں بنانے کا موقع نہیں دینا چاہتیں۔"

"وہ یہ چاہتی ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتیں۔ ان سب سے میرا کیا تعلق بنتا ہے۔ آپ کا بھی کیا تعلق؟" وہ اکتا کر تفصیل سن رہے تھے۔

"میرا تعلق، وہ میری بہن ہیں اور بہن بھی ایسی بہن کی اس حالت کا بڑی حد تک میں بھی ذمہ دار ہوں۔ میرا فرض ہے کہ میں ان کے مشکل دور میں کام آؤں۔" وہ لاکھ سخت مزاج ہی سہی لیکن لہجہ بولتے ہوئے بھی ذرا نرم ہو گیا۔

"آپ کوئی اچھا سا رشتہ تلاش کرنے میں ان کی مدد کر سکتے ہیں۔"

"عورت کی بار بھی میں نے یہی سوچا تھا جب اویس نے چپ چاپ شادی کر لی تو میں نے آپا کی بھی کہیں کروانا چاہا لیکن انہوں نے بھی رشتے کرتے ہوئے مجھ سے پوری چھان بین کروائی تھی لیکن ہوا کیا۔۔۔ انجانے لوگوں سے دھوکا کھا بیٹھے۔ اب میں رسک نہیں لینا چاہتا کیونکہ موحی کے بارے میں آپا یوں بھی بہت حساس ہیں۔ ان کے خیال میں اپنی اولاد کے لیے وہ کسی کے آگے جواب دہ نہیں جبکہ موحی کے بارے میں روزِ حشر انہیں اس کے والدین کو جواب دینا پڑے گا۔ وہ بڑی آس سے کہہ رہے تھے۔

"ہو ابو جان! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن ذرا میرے نقطہ نظر سے بھی تو دیکھیں۔ وہ عمر میں مجھ سے بارہ تیرہ سال تو ضرور چھوٹی ہوگی۔ میٹرک دو قسطوں میں محنت مشقت کرنے کے بعد اب کہیں فرسٹ ایئر میں پہنچی ہے۔ نہ شکل نہ سلیقہ۔۔۔ آپ کسی بھی یہی احساس جرم کا شکار ہو رہے ہیں۔ پھوپھی اماں کی قسمت میں جو لکھا تھا وہی ہوا۔ عورت کے لیے بھی آپ نے بہتری سوچا۔ آگے اس کی تقدیر۔"

"تقدیر کو سارے الزام دینا درست نہیں۔ کیا یہ جھوٹ ہے کہ آپا نے صرف اویس کی خاطر اپنی منگنی تڑوائی؟ اور کیا یہ بھی غلط ہے کہ اسی کو پانے کی خاطر انہوں نے بال سفید کر لیے کیونکہ میں کسی کی جذباتیت کے زیر اثر تھا۔ صرف اسی وجہ سے انہیں اسٹینڈنگ کا رشتہ نہ مل سکا۔ میں خود کو ان کے سامنے تمام عمر مجرم سمجھتا رہا ہوں۔ خدا کا واسطہ ہے مجھے اب تو سر اٹھا کے بڑی بہن کے آگے جانے دو۔ عورت کے سلسلے میں جو ہو گیا سو ہو گیا۔ میں کوشش کروں گا آپا کو سمجھا بجھا کے راستے پہ لاؤں۔ ایک ہی بار آ جائے تو ان کو چاہیے تو مدد کروں۔ صدف بھی اپنوں میں جائے گی۔ عاکف کو اپنے ساتھ کاروبار میں لگا لوں۔ جب موحی یہاں آ جائے گی تو آپا بھی تیار ہو جائیں گی میرے ساتھ رہنے پہ۔"

"آپ جب چاہیں مجھے بلوا لیجیے لیکن میرا حصہ اس ساری پلاننگ سے الگ رکھیے۔ میں کسی پچھتاوے کا شکار ہوں نہ ہی کسی احساس جرم میں گھرا ہوا ہوں۔ مجھے اپنے لیے قربانی کا بکرا بنانے کی ضرورت نہیں۔ آپ میرے علاوہ کوئی اور طریقہ ڈھونڈ نکالیں اپنے تلافی کے لیے۔"

وہ کسی طور نہ مانا۔ انکار کی ایک وجہ موحی کے لیے ناپسندیدگی تھی تو دوسری وجہ نیرا کے لیے پیدا ہونے والی

پسندیدگی تھی۔

نیرا سے اس کی ملاقات یہاں شفٹ ہونے کے کچھ عرصے بعد ہوئی تھی۔ وہ راحیل کے کیبن میں کسی فائل کو ڈھونڈتا آیا تھا کہ وہاں گرے اور پنک ساڑھی میں ایک باوقار سی سنہری خاتون کو بے تکلفی سے براجمان دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اخلاقاً "انہیں سلام کیا" راحیل نے مختصر سا تعارف کرا دیا۔

"ابراہیم! یہ آنٹی ہیں، ساجدہ آنٹی اور آنٹی یہ ابراہیم علی ہے۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی لاہور برانچ سے یہاں شفٹ ہوا ہے۔"

ساجدہ آنٹی یہ جاننے کے بعد کہ وہ یہاں اکیلا ہے۔ جتنی فکر مند ہوئیں ان کا تردد اور خلوص دیکھ کے وہ بہت متاثر ہوا۔ یوں بھی خاصا ہوم سک ہو رہا تھا اسی لیے دوسرے تیسرے دن پھوپھی اماں کے گھر بھی چلا جایا کرتا حالانکہ وہاں کا ماحول اس کی تنہائی پسند فطرت پہ گراں گزرتا۔ موحی اور آٹو کی چھینا جھپٹی تو تو میں میں، پھوپھی اماں کا اونچی آواز میں واویلا "ہائے چیخ کے بولی لڑکے دے مارا" صدف کی ڈانٹ ڈپٹ اور اگر جو عورت آئی ہوئی تو اس کے میاں ایاز کی جہالت بھری گفتگو اس کے بچوں کی دھینگا مشتی اور موحی کا نخرے نخرے نظاروں سے مقابلے پر اتر کے لوٹنا اسے زہر لگا کرتا لیکن انجانے شہر میں کبھی کبھار دو گھڑی دل بہلانے کے لیے وہاں جانے پر مجبور ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ تیسرے ہی دن وہ اک سپر اسٹور میں ساجدہ آنٹی سے دوبارہ اتفاقیہ ملاقات کے بعد جب وہ انہیں ڈراپ کرنے چلا گیا تو ان کے ایک ہی بار کہنے پر چائے پینے اندر بھی چلا گیا۔ اس نے وہ کے بھی ابھی تک ہے درست دو ٹوک انداز میں "آپ تب لگنے والی اس کو آنٹی پہلی بار دیکھی نہیں اکیلی بھی ہوئے زندہ ملی تھے اور ان کی بیٹی نیرا اسے دیکھ کے تو وہ حیران ہی رہ گیا۔ حسین تھی ہی کسی طرح دار بھی اور تحمل بھی۔ ابراہیم نے دل ہی دل میں اعتراف کیا "اس حسن کے ساتھ یہ تحمل۔" یہ تاثر اور غرور اسے تھے بھی خوب تھے اپنے والدین کی بہ نسبت وہ ذرا روکھے انداز میں

اس سے ملی۔ ساجدہ آنٹی نے وضاحت کی۔

"بیٹی ذرا شرمیلی ہے۔ اجنبیوں سے جلدی گھلتی ملتی نہیں ہے۔ تم محسوس نہ کرنا۔ آتے جاتے رہا کرو۔ تم سے مل کے مجھے بہت اچھا لگا بلکہ تم اس ہفتے لنچ میرے ساتھ کیوں نہیں کرتے؟"

وہ انکار نہ کر سکا۔ پھر اس لنچ کے بعد جوابی ڈنر دینا بھی تو فرض تھا اس نے ہلٹن میں ان کی فیملی کو ڈنر دیا۔ یوں اس تیسری ملاقات میں نیرا کی اس سے دوستی ہو ہی گئی۔ وہ خاصی حد تک سادہ مزاج تھی۔ پہلے پہل اسے جتنا مغرور سمجھا تھا۔ وہ بالکل ویسی نہ تھی بلکہ جلد ہی خاصی بے تکلف ہو گئی۔ زندگی سے بھرپور اس لڑکی کی رعنائی اور دلکشی اتنی پرکشش تھی کہ ساجدہ آنٹی کی طرف سے اسے ایک کپ ٹی کے گھر کی آفر وہ رد نہ کر سکا۔ وہ ان کے اوپر کے پورشن میں کیا شفٹ ہوا کہ نیرا سے قربت دن بدن بڑھتی چلی گئی اور پسندیدگی محبت میں تبدیل ہو گئی۔ وہ اس بار لاہور جا کر امی جان سے نیرا کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا کہ ان کا تبھی کے لیے جانے کا ارادہ ہو گیا۔ ابو جان نے پھوپھی اماں کو بھی ساتھ جانے پہ رضامند کر لیا۔ وہ بڑی دیر کے بعد اس کے پورشن میں بیٹھی چند گھنٹوں کے لیے ہی رہ گئے تھے اور پھر اگلی تاریخ کہاں ہی چلے گئے وہیں سے سارا منصوبہ بنا اور اس کے سارے ارادے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ لیکن ابھی وہ اتنا بے دست و پا نہیں ہوا تھا کہ خاموشی سے ہتھیار ڈال دیتا اس نے ابو جان سے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا۔

"مجھے آپ کے فیصلے سے نہیں آپ کی اور جینت چڑھا رہے ہیں آپ مجھے مجھ سے اس قربانی کی امید مت رکھیے۔"

اور اب صدف نے انجانے میں اس کے الفاظ اسے لوٹا دیے تھے۔ وہ اچھے الفاظ کی بے رخی اور بدصورتی کو جانچ رہا تھا اور ساتھ ساتھ صدف کی بات بار بار اس کے ذہن پہ دستک دے رہی تھی۔

"جو قربانی کا حوصلہ نہیں رکھتے وہ محبت کا دعوا نہیں کر سکتے اور ایک عزیز چیز کو دوسری عزیز تر ہستی

کے لیے فنا ہو جانا ہی قربانی ہے۔"

وہ ساری رات سوچتا رہا۔ عروہ اور حمزہ تم میں کیا فرق ہے۔

☆ ☆ ☆

ساری رات کی الجھنوں اور سوچوں کے زیر اثر وہ اتنا مضطرب تھا کہ بار بار موبائل پہ عنایا کا نمبر دیکھ کر آف کر دیتا تھا۔ اس وقت وہ اس کے سوالوں کا جواب دینے کی ہمت خود میں نہ پا رہا تھا۔ تین چار بار کال ختم ہونے کے بعد شاید وہ تھک گئی تھی یا مایوس ہو گئی تھی یا شاید ناراض ہو گئی تھی تو اس کا موبائل خاموش ہو گیا۔ اور اس کی ناراضی کے خدشے نے ابراہیم کو مزید مضطرب کر دیا۔ جانتا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو کتنی جلد آتے تھے اور بس وہ اس کی ایک بات سے ڈرتا تھا۔ اس کی ساری مزاحمت اس کے آنسو دیکھ کے دم توڑ دیتی تھی۔ وہ آنسو بھری شکوہ کناں آنکھیں [illegible] بار بار اس کے تصور میں آ رہی تھیں [illegible] اس نے گاڑی کا رخ [illegible] کی طرف موڑ دیا۔ [illegible] سے وہ نکلنے ہی والی تھی [illegible] کہ وہ سو رہی ہے اور طبیعت کی خرابی کی وجہ سے اس نے جگانے کو منع کیا ہے۔

"اس وقت یہ کون سا سونے کا وقت ہے۔"

"رات بھر بخار کی وجہ سے جاگتی رہی ہے [illegible] بات [illegible] دوا دے کر سلایا ہے [illegible]"

[illegible]

[illegible] میں کل پھر آ جاؤں گا۔"

وہ [illegible]

[illegible]

کس سے تو اپنی بیٹی کو اتنا کنفیوژ بنا دیتے کہ [illegible] بارے میں کوئی بھی فیصلہ بغیر کسی جھجک کے کر سکے لیکن پھر بھی ماں اور سب سے بڑھ کے دوست ہونے کے ناطے میں تم سے اتنا ضرور کہوں گی کہ تم دونوں کے درمیان جو بھی ٹینشن ہے اسے جلد از جلد دور کرنے کی کوشش کرو مجھ سے اپنی بیٹی کی پژمردگی اور مایوسی دیکھی نہیں جاتی۔ جب سے تم اپنے عزیزوں سے مل رہے ہو وہ بڑی ڈری ڈری سی رہنے لگی ہے۔ اس کا یہ خوف بجا بھی ہے اگر تم اسی طرح اپنے [illegible] ہوتا رہے تو [illegible] تم ان سے اپنی بات منوا سکو کہ تم اس رشتے سے خوش ہو [illegible] بھی [illegible] ہو کر [illegible] اپنے [illegible] کی ہمت پیدا کر لو۔" انہوں نے [illegible]

[illegible] اور وہ سر ہلا کے رہ گیا۔

گھر سے کھانا کھائے بغیر نکل آیا تھا۔ بھوک اور مستی سے حالت خراب ہو رہی تھی۔ رات بھر [illegible] کے دوران بھی ذہنی الجھن کا شکار رہا اور دن بھر [illegible] مسلسل کال کرنے اور پھر بعد میں اسے اگنور کرنے کی ندامت نے اسے [illegible] تب جا کر [illegible] کی [illegible] شرم کو بھی [illegible] کے ساتھ [illegible] سے وہ کار [illegible]

[illegible]

[illegible] کو [illegible] اپنی طرف [illegible]

☆ ☆ ☆

"[illegible]"

[illegible] نہیں [illegible] اور منہ [illegible]

[illegible] سوال

[illegible]

"[illegible] جتنا"

[illegible] کی [illegible] تھی کہ [illegible] بات کہ [illegible]

[illegible]

"شاید وقت ہی [illegible] اشارہ [illegible]"

"[illegible] ہمارے ہاں مہمانوں [illegible]"

[illegible]

"[illegible] بھی [illegible] مسائل کی [illegible]"

"[illegible] ہی [illegible]"

لیکن [illegible] ابراہیم نے [illegible]

[illegible]

کیونکہ تم نے عاکف سے پوچھا۔

"وہیں جہاں روز اس وقت ہوتی ہے۔" اس نے منہ سے چیونگم کے فائر کرتے ہوئے جواب دیا۔

"دیکھ آیا ہوں، نہیں ملی۔" روز شام برآمدے میں موجود اسٹینڈ کے اوپر لٹکاتا تھا اور رات کو جاتے ہوئے وہیں سے اتار کر پہن لیتا تھا۔ دن کے کئی گھنٹے تو سونے میں گزر جاتے، جاگنے پر ہیٹر کے آگے بیٹھ کر کچھ دیر ٹی وی دیکھتا رہتا، نہ باہر نکلنا ہوتا نہ ہی جیکٹ کی ضرورت پڑتی۔

"کہاں رکھی تھی؟"

"وہیں اس اسٹینڈ پر۔" ابراہیم نے اشارہ کیا۔

"وہاں تو صبح صبح اور شام کو ہوتی ہے۔ سارا دن جہاں ہوتی ہے وہیں ہوگی۔"

"کیا تماشا ہے تمہارے ہاں۔ مجھے ذرا مارکیٹ تک جانا ہے، باہر خاصی سردی ہے، کہاں گئی جیکٹ؟" وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا اسی لمحے گیٹ کھلا اور [illegible] کے انداز میں موتی اندر آگئی۔ ابراہیم کی نظر اس تک گئی، [illegible] پر وہ اس کی نئی اسپورٹس لیدر جیکٹ چڑھائے ہوئے تھی۔

"وہیں جہاں روز ہوتی ہے۔"

عاکف کا جملہ اس پر پوری طرح عیاں ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ [illegible] وہیں روز سے اس [illegible] والے تخت سے [illegible] کا سراغ بھی مل گیا۔ اس وقت بھی ایک ہاتھ سے [illegible] اور دوسرے ہاتھ سے کانوں تک آتی میلی سی لٹ کو کانوں کے پیچھے اڑستی ہوئی موتی کی جیکٹ [illegible] کی بقایاجات کو ہاتھوں سے اچھی طرح [illegible] بعد اس نے خالی [illegible] "راجہ" کے آگے پھینکا اور ہاتھ صاف [illegible] سے بھری انگلیاں لاپروائی سے جیکٹ [illegible]

"مجھے ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے اگر زحمت نہ ہو تو آپ یہ جیکٹ اتار دیں گی۔"

ہوا پایا؟" دونوں منہ اٹھائے ہونقوں کی طرح تکنے لگی جیسے اس نے اپنی جیکٹ نہیں بلکہ اس کا سفید موتیوں والا کلا برا تھا مانگ لیا ہو۔

"جیکٹ ۔۔۔ یہ والی ۔۔۔ ابراہیم بھائی کی ۔۔۔ جو تم پہن گئی تھیں ۔۔۔ بلکہ پہن جاتی ہو روز ہی۔"

عاکف نے انگشت شہادت اس کی ٹھوڑی پر بار بار کے بات سمجھائی۔ وہ [illegible] کے وہیں چمن کھولے کی عاکف بڑے برے سے منہ بناتے ابراہیم کی طرف مڑا۔

"اس کے یہاں سے" وہ دماغ پر اشارہ کرتے ہوئے بتانے لگا "یہاں زور لگانا پڑتا ہے باقاعدہ دستکیں دینا پڑتی ہیں پھر کہیں جا کے ذرا روشنی کھلتا ہے اور بات اندر گھس پاتی ہے اور کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے جیسے میری بات [illegible] تو عقل شریف تک [illegible] انگلی دھر کے پوچھتی ہے "بے بھن ہم کون؟"

وہ خراب موڈ کے باوجود ہنس پڑا اور جیسے ہی یہ احساس ہوا کہ اس دھب [illegible] کرکے اندر جانے والی مخلوق "یہی لڑکی کو ابو جان نے اس کے مقدر پھوڑنے کے لیے منتخب کر لیا ہے" تو ہنسی وہیں دم توڑ گئی اور رونا سا آگیا۔

وہ [illegible] تھا لیکن [illegible] ہونے کی وجہ سے [illegible] استعمال نہ کر سکتا تھا ابھی [illegible] ارادے سے [illegible] بعد جب [illegible] ارادے سے [illegible] ساڑھے چار سو روپے [illegible] کے ساتھ [illegible] کی [illegible] اس طرف [illegible] کا [illegible] اس [illegible] عادت [illegible] کے ساتھ [illegible] مسلسل [illegible] اور اسکول کے بعد اس کے [illegible] نہیں [illegible] اس [illegible] [illegible] کبھی تو انتہائی [illegible] کی [illegible]

منظر میں جو خوبیاں تھیں [illegible] منتقل ہو جائیں [illegible] قریب دودار میں اپنی [illegible] کی سوجھ بوجھ اور [illegible] کا رعب [illegible] اور بھی فلاں [illegible] کی شخصیت [illegible] مرتی [illegible] اصرار ہوا جس نے انہیں [illegible] سے انکار کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم واقعی کمال کے بہت انسان ہو۔"

پچھلے تین گھنٹے میں [illegible] بار دہرایا گیا۔ "اگر تم نے اپنے [illegible] کے کسی رشتے پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کر دی ہوتی تو [illegible] انہیں اپنی [illegible] میں بھی [illegible] تھا۔"

"[illegible] آسان نہیں تھا [illegible] ایک لڑکی کے لیے میرا [illegible] غیر متوقع تھا [illegible] میں نے [illegible]"

"[illegible] شاید انہیں تمہارا انکار [illegible] معلوم [illegible] یہاں آنے [illegible] میرا تعارف کراتے ہوئے اسی وقت ساری [illegible] مسئلہ حل کر جاتے۔ تم خود ہی بتا رہے ہو کہ وہ لڑکی [illegible] پسند کر لیتے۔"

[illegible] ابراہیم [illegible] خاموش [illegible] اس کے [illegible] اور ساتھ آنٹی سے تعارف [illegible] خوشگوار تھے اس نے [illegible] کر دیا تھا۔

[illegible]

"تمہی سادہ"

وہ ان کے اس بے لاگ تبصرے [illegible] کیونکہ انہوں نے ساری عمر ایک مخصوص ماحول میں گزاری تھی۔ اب انہیں [illegible] اور آنٹی کے [illegible] اصول و قواعد سے کیا روشناس کرا سکتا [illegible]

"ہم نے اولاد کو پوری پوری مکمل آزادی دی ہوئی ہے۔ اولاد کو اپنی اپنی [illegible] مرضی [illegible] کبھی کوشش نہیں کی [illegible] بلکہ [illegible] اختشام میرا اکلوتا بیٹا [illegible] چاہتا تھا ایک [illegible] کو بھی نظروں سے اوجھل رہے لیکن وہ [illegible] نصیحت کرتا تھا اور [illegible] کی اکلوتی بیٹی [illegible] ایسا [illegible] کہ وہ [illegible] رہے [illegible] خوشی سے [illegible] رہنے کی اجازت دے دی۔ میرا [illegible] دوست [illegible] ان کے [illegible] [illegible] اس کے والد کے [illegible] کو [illegible] سمجھانے [illegible] نے محسوس کیا [illegible] اور [illegible] کے باوجود [illegible] تھی۔"

اسے ساتھ [illegible] آئی کے [illegible] ان کے گھر آنے [illegible] تھی لیکن [illegible] سامنے [illegible] انہوں نے [illegible] حرف [illegible]

"کیا سوچ رہے ہو؟" [illegible] آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔

"کچھ۔۔۔ نہیں۔"

"[illegible] زیادہ ہی [illegible] ہو۔"

[illegible]

[illegible]

اس کی اتنی ... کو انتظار کر رہا تھا وہ محسوس کر رہی تھی ...
... تو اس نے آخر کی وجہ سے وہ اپنا پہلی لے جانے
... بعد بھی ثنا کے ساتھ ... اور قربت میں وہ سرشاری
محسوس کیا کرتی ...

"یا پھر نہیں ... بیٹھ ... تمہارا ..."
... "ثنا نے پھر تفتیش کرنا چاہی۔ اس نے
... کہہ کر جھٹلا ..."

"تم بیمار ہو ... ہوں۔"

"وہ تو ہو گئی ... کمرہ ... قبول کر ...
کے ... سے ... کے ... مکان میں۔
اگر ... تم ... کی ... کرتی تو وہ
آجاتے یہیں تمہاری ... سی ... نہیں ہے کہ ہم
ابھی بہت ... ہیں۔" وہ ... بولی۔

صدف ... کرتی ہے ... اسکول یہاں سے
بہت دور ... اور شام ... سے اس سے
... بھی ... ہیں ... ہو ...

"صدف ... وہ ... ثنا نے ... سا ہو
... پوچھا ... سے ... اس کی ... تھی ...

"نہیں یار وہ ایک ... لڑکی ہے ... قربت
... وہ ... اور ... سے ... نہیں اٹھانے کی ...
... صدف ... بہن ہے اور ...
... ہے۔"

اس نے ... کو ... کے ... سچ
... اس ... پر ... بھی ...

"تو ... کا ... آرام ... ہے ... کے ...
... سے ... اس ... ہے ... اسکولوں میں
... والے ... تم ... کا ...
... سے ... ہو ... ہے ... گی ...
... مجھے ... ہو ... تو ...
... ہے ...

اس نے ابراہیم کے شانے پر ہمدردی سے ہاتھ
رکھتے ہوئے ... زمانے بھر کی ... ہمدردی سمیٹ
... سے ... رہی تھی ... رو کر ... کو کہ
... اور کچھ خفا خفا ...
... اس نے ... حقیقت تو یہ
... تکلیف ... ایک وہ
... اس نے اپنے ... اور
... صدف اور ... اور ...
... آرام ... کوئی ... اندر تھی

... کب ... کے ... خوشی
... کر لیتے ... تم ... ابھی ہی تو
... کہ ... تمہاری ... ہو جس
... تمہاری صحت اور ... پر اثر پڑ ...
... تمہاری ... ہو گی ...
... نہیں ... ٹھیک ہوں ...

... اور ... کون ہے
... تمہاری ... جاب
... ہے ... کی ...
... تم ... ہے کہ ...
... ہے ... ؟"
... گیا ... کا ... تھا
... چیف ایڈیٹر اس کے کام اور صلاحیتوں
... شام ... اس کی
... ہو ...

... سے ... تم ... کی ...
... اور ... والے ...
... کر ... کی ... ہے ...
... ٹی ... نہ ...
... ہے ...

"پتا نہیں ... اور ... تو ابراہیم ... کو ...
مجھے ... اور ... تو ... ہے۔"

اس نے ... بے ... ہی ... سے ... کر ...
... کا اور ... ہی ... پھولوں کا ... جو
... سے ... ایک ... کی ... اس ... کی
... ہو ... اس ... کے ... ہی ... تھی ...
... اس ... تو ... تھی ... اس کی ...
اس نے ... کو ... بیان ... کہا۔

"اور تم تو ابھی نہیں بچھڑتے جب ... تھا
تمہارے ابو جان ... ہی ... ہے۔"
... اس نے ... اس ... میں ...
... چونک پڑا۔

"یار ... ہے ... کی بات ہے جو مجھے
... ہے ... ہے ...
... اندر میری ... جواب دیتے ...
... منظر ... ہوا۔

"... آگ ... ہے ... دیا اور وہ
... کر بھی ... اور ... جی ...
... پایا میں ... ہے ... ا

"... ہوں ... میری طبیعت ٹھیک
نہیں ... باہر ... کہتا ... ہی ...

"... کہا ... میں ... وہ ... کا
... سے ... کر ... کے ... تو ...
... ایک ... کی ... جو ...
... میں ... ہے ...
... ساتھ ... ہی ... کی ...
... ابھی ... ہی ... ہی ...
... ہوں ... سے ... اور ... گی

بات آپ کے ساتھ۔"

وہ جلدی جلدی بالوں میں برش چلانے لگی [illegible] اور ریلیف [illegible] کے اندر [illegible] ابراہیم [illegible] اب اسے ڈراپ کیے بغیر کوئی چارہ نہیں اس نے [illegible] نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ [illegible] بالک اور سلور سلیولیس ٹاپ [illegible] وہ [illegible] کے باہر نکلنے سے پہلے اس نے [illegible] کا عدسے زیادہ کھلا گریبان اور [illegible] پھنسی ہوئی جینز [illegible] کے لیے [illegible] وہ ٹوکنا چاہتا تھا کہ [illegible] لمبے بیٹھ [illegible] گیا۔

"مجھے [illegible]"

"ہاں؟"

"[illegible] تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے میں [illegible] فیسٹیول میں جا رہی ہوں۔ [illegible]"

ابراہیم نے چپ چاپ [illegible] کوئی بات [illegible]

[illegible]

"[illegible] میں مر گئی [illegible]"

[illegible]

ابراہیم [illegible] کی کوئی خوبصورت لڑکی [illegible] ریستوران میں [illegible] ڈنر کے [illegible]

[illegible]

"[illegible] تو بہت [illegible]"

[illegible]

موتی [illegible] ان میں سے کسی ایک کی [illegible] اپنی ماں کی طرف سے [illegible]

[illegible]

"[illegible] میرا [illegible]"

[illegible]

[illegible] ابراہیم نے سامنے بیٹھے [illegible]

[illegible]

[illegible] حالات اجازت دیتے تو شاید [illegible] میں جانتا ہوں [illegible] اسکولوں سے بھی [illegible] نامور صحافی اور ادیب [illegible]

[illegible]

نہیں خرید سکتا تھا۔ کیسے میں لاء کالج یا انجینئرنگ یونیورسٹی تک پہنچتا۔ اور اب اس فضول سی ڈگری کے ساتھ کوئی مجھے کلرک کی جاب بھی نہیں دیتا' اس کے لیے بھی لوگ تجربہ مانگتے ہیں۔ بتایئے' وہ کہاں سے لاؤں' کس بینک میں ڈاکہ ڈالوں اور تجربہ اڑا لاؤں؟"

"پھر بھی تمہیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہے۔ ایسا کب تک چلے گا۔ پھوپھی اماں تمہاری وجہ سے کتنی پریشان رہتی ہیں' برا مت ماننا' میں تمہارے ذاتی معاملے میں دخل دے رہا ہوں لیکن ایسا کرنے کو مجھے ابو جان نے یعنی تمہارے ماموں نے کہا تھا' وہ خود تمہیں کہنے کا حق رکھتے ہیں مگر ان کے خیال میں تم میرے سامنے زیادہ ایزی ہو کے بات کر سکو گے' اب کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"میں نے کیا کہنا ہے بھائی! اور کیا کرنا ہے۔ رہا سوال برا ماننے کا تو ایسا میں کیوں کروں گا۔ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ بازپرس کا پورا حق رکھتے ہیں مجھے تو اچھا لگا آپ کا اتنی اپنائیت سے یہ بات کرنا لیکن کیا کروں' آپ کی ساری باتیں درست' لیکن میرے سامنے کوئی راستہ بھی تو نہیں۔ ابا جی کوئی لمبا چوڑا کاروبار تو چھوڑ نہیں گئے تھے جو میں وہ آگے بڑھا لوں' ایک معمولی سی کریانے کی دکان تھی جو ان کے بعد امی نے کرائے پہ چڑھا دی۔ اب میں کم از کم وہاں بیٹھ کے ساری عمر تیل اور مسالے تو نہیں بیچ سکتا' مجھے معمولی کام کرنے سے انکار نہیں مگر ترقی کا کوئی چانس بھی تو ہو۔ ابا بھی مرنے سے پہلے تو اس دکان سے نہ نکل سکے تھے۔ دوسرا کوئی کاروبار شروع کرنے کا میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ کہاں سے لاؤں سرمایہ ـــــ"

ابراہیم کو اس کے سوال پہ ابو جان کی وہ بات یاد آئی کہ وہ عاکف کو اپنے کاروبار کی ذمہ داریاں سونپنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ بظاہر اسے بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔ اگر وہ بزنس مائنڈ نہیں ہے اور اپنی فیلڈ میں اس کی ترقی کے روشن امکانات اسے نظر آ رہے ہیں تو اسے کیا حق ہے ابو کے محنت سے بنائے بزنس اسٹیٹس کو ملیا میٹ کرنے کا۔ برسوں بعد انہوں نے یہ مقام حاصل کیا ہے۔ اگر عاکف جیسا گھر کا بندہ ان کا بازو بن جائے تو ان کی مایوسی کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اور بہن کے کام آ کے ان کی خودساختہ پشیمانی بھی مٹ جائے گی ابھی وہ عاکف کو اس طرف لانے کے لیے بات کرنے کی تمہید باندھنے ہی والا تھا کہ موتی بیچ میں ٹپک پڑی۔ ماحول کی ساری سنجیدگی قہقہوں میں اڑ گئی۔ موتی لنگڑاتی ہوئی پل میں ان کے سامنے موجود تھی۔ عاکف کے بلند بانگ قہقہے اسے سمجھا گئے تھے' یہ حرکت کس کی تھی۔ اب وہ تقریباً اس پہ پل پڑی تھی۔

"تم...... ذلیل انسان..... کمینے... پتا نہیں کیوں میرے پیچھے پڑے رہتے ہو' اگر میری ٹانگ ٹوٹ جاتی؟ اگر میری آنکھ پھوٹ جاتی؟"

"تو رہی سہی کسر بھی پوری ہو جاتی ـــ چار چاند لگ جاتے تمہاری بے مثال شخصیت میں۔" وہ ڈھیٹوں کی طرح ہنستا رہا۔

"تم دو ٹکے کے' تمہاری ٹانگیں تڑواتی ہوں۔" اس نے "تڑی" لگائی۔

"توڑنے تڑوانے کے علاوہ کوئی کام آتا ہے تمہیں۔ کبھی کچھ جوڑنے کی' کچھ ملانے کی باتیں بھی کر لیا کرو۔"

وہ بڑبڑایا تو موتی ڈھیلے ڈھیلے قدم اٹھاتی خاموشی سے پلٹ گئی۔ ابراہیم نے اس کی پسپائی کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے سامنے دیکھا تو عاکف بھی ہارا ہوا سا لگ رہا تھا' اسے متوجہ دیکھ کر خوامخواہ دانت نکالنے لگا۔

"عجیب تماشا ہے یہ بھی۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔"

"کیوں اتنا ستاتے ہو بے چاری کو۔" اس نے کریدنا چاہا۔

"کیونکہ اس سے زیادہ میں ستا ہی نہیں سکتا۔" فوراً جواب ملا۔

"ستا سکتے ہو ـــ اگر اس سے تمہاری شادی کروا دی جائے۔"

یہ جملہ اتنا اچانک تھا کہ عاکف اپنے تاثرات پہ قابو

تک وہ بادشاہ تھا مگر اس فن میں اسے کمال حاصل تھا اور اس کمال کے مظاہرے ابراہیم کئی بار دیکھ چکا تھا۔ اس کی حیرت بھری خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"محبت کی محبتیں بڑی زور آور اور شدت پسند ہوتی ہیں۔ یہ بھی پہلے کہا تھا۔"

"وہ تو میں نے اپنی اور آپ کی محبت کے بارے میں کہا تھا" وہ صاف مکر گیا۔

"بکواس مت کرو۔ میں سب جانتا ہوں۔ ایک طرف اپنی محبت اور دوستی کے دعوے کرتے ہو دوسری جانب خود کو جنت جنت کے رکھتے ہو۔"

"پھر کیا کروں عیاں کرنے کو اور ہے ہی کیا۔ یہ ناممکن کام کر رہا ہوں۔"

"عجیب انسان ہو تم۔ یہ ناکامیاں کوئی تم مقدر میں تو لکھوا کے نہیں لائے اور وہ کون سا کوئی کہیں کی شہزادی ہے یار نہیں زادی۔ گھر کی ہی بات ہے اچھا سے گھر میں نسبت جائے۔"

"آپ نہیں جانتے" اس نے اس کے بارے میں کیسے کیسے خواب دیکھ رکھے ہیں۔ وہ آپ سے محبت کرتی ہیں بابا اور سب اور میں بھی ہیں۔"

اس نے سر جھکا کے اعتراف کیا۔

"ہم سب اسے چاہتے ہیں اسے [illegible] رکھتے ہیں۔ ابا جی کے [illegible] یہ خواہش رکھتی ہیں کہ لڑکی کیا ہے [illegible] عمر تو پورے پالا اور اپنے گھر سے باندھ لیا۔ انہوں نے ماموں جان سے بات کی ہے کہ وہاں لاہور میں اگر کوئی رشتہ ہو تو [illegible] سے [illegible] ہو گیا ہے۔ [illegible] موتی تو اپنی آنکھوں سے [illegible] میں اپنی خواہش کا اظہار کرنے کے [illegible] عارفی عمر انہوں نے [illegible] اس سے [illegible] اللہ کے سامنے [illegible]"

ابراہیم خاموشی سے اس بے پرواہ سے نظر سے

والے ناتجربہ کار لڑکے کی باتیں سنتا رہا۔ یہ فلسفہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"لیکن اگر تم چاہو تو ہمت کر کے ... میرا مطلب ہے حالات سدا ایک سے نہیں رہتے ہو سکتا ہے اللہ نے تمہارے حصے کی خوشیاں اس کے مقدر سے باندھ رکھی ہوں۔"

"ہاں ہو سکتا ہے ... مکمل مایوس تو میں بھی نہیں۔ اللہ کے در سے امید تو ہے لیکن اس امید کے سہارے کسی معصوم کی زندگی کو داؤ پہ نہیں لگا سکتا۔ امی جان [illegible] کو دکھ جھیل رہی ہیں۔ صدف کا معاملہ بھی [illegible] سے لٹکا ہوا ہے۔ ایسے میں اگر [illegible] اور وہ بھی میری وجہ سے۔ اگر کچھ غلط ہوا تو وہ مجھے تو معاف کر دیں۔ خود کو کبھی نہ کر سکیں گی۔ میں تو اللہ سے یہی دعا کرتا ہوں کہ جو اس کے اور میرے حق میں بہتر ہو وہی کرے۔ ہو سکتا ہے جلد ہی ماموں جان کی وساطت سے کوئی بہترین شخص اس کا مقدر بن جائے۔ یقین کریں مجھے بھی اتنی ہی خوشی ہو گی جتنی کہ آپ کو۔"

وہ نم پلکیں تیزی سے جھپکتا ہوا ابراہیم کو بڑا اونچا اور بڑا سا لگا۔

"اور اگر قسمت کی طرف سے ہی دیر ہو گئی اور اس کی شادی ہونے سے پہلے پہلے میں اپنے پیروں پہ کھڑا ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ اللہ نے اسے میرے لیے منتخب کر رکھا ہے لیکن اس سے پہلے نہیں ... ہرگز نہیں ... ورنہ یہ خود غرضی ہو گی [illegible] چھوڑ کے جاؤں گا کہ شاید وہ اس سے بہتر کی مستحق ہو اور میں [illegible] جلد بازی میں [illegible]"

ابراہیم اتنا متاثر ہوا کہ اس سے کچھ بولا نہ گیا اور اس نے [illegible] ابراہیم بھی بھول گیا صدف کی آواز سے [illegible] جانتا۔

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible] میں انہیں دیکھ کے ترستی ہوں۔ امی ہوتیں تو اب تک یہ ہی چلا گیا ہوتے۔"

اس نے [illegible] اچھی طرح [illegible] کے بعد نوکری [illegible] میں کوئی اور عیب [illegible] ہوئے تھے۔

"میں [illegible] جانتا ہے؟" ابراہیم نے اس کے گرد [illegible]

[illegible]

"اب کب تک چلے گا؟ پھوپھی اماں کو موتی کی فکر کرنے کے بجائے صدف کے لیے کوئی رشتہ کرنا چاہیے۔ تمہارے چچا سے آس لگانا فضول ہے انہوں نے کچھ کرنا ہوتا تو کر چکے ہوتے۔"

ساتھ ہی اسے یہ خیال بھی آیا کہ آخر پھوپھی اماں نے اپنے بھائی کی توجہ موتی کی طرف کرنے کے بجائے صدف کی طرف کیوں نہ دلائی تو جان تو بھی جان سے راضی ہو جاتے۔

"صدف آپی نے ہی منع کر رکھا ہے۔ وہ چاہتی ہیں موتی کی شادی تک سب میں یہ بات پھیلی رہے کہ وہ منسوب ہیں۔ کیونکہ آنے والے [illegible] کے بارے میں موتی کے حوالے سے سوچا جائے۔ اس کے علاوہ گھریلو حالات بھی انہیں [illegible] ہوئے ہیں۔ میں کڑھتا رہتا ہوں یہ سوچ سوچ کر کہ اگر میں کسی قابل ہوتا تو میری بہن [illegible] آج اپنے گھر کی ہوتی۔"

وہ روہانسا ہو گیا تو ابراہیم نے دلاسا دینے کے لیے اس کے شانوں پہ بازو دراز کیا۔

"تم آج [illegible] اسی وقت [illegible] کا وعدہ [illegible] میں تمہیں [illegible] کا وعدہ کرتا ہوں۔"

"سچ؟"

"[illegible]"

جاتے۔ ابو جان کسی غیر پہ بھروسا کرنے کو تیار نہیں اس لیے یہ ذمہ داری مجھے سونپنا چاہتے ہیں لیکن تم تو ان کے اپنے ہو۔ تم ایسا کر کے نہ صرف ان کی مشکل آسان کرو گے بلکہ مجھ پہ بھی ایک بڑا احسان کرو گے میں ذرا یکسوئی سے اپنا کام کر سکوں گا۔ پھر کیا خیال ہے؟"

"میں ۔۔۔ میں بھائی ۔۔۔ مگر کیسے؟" وہ ماموں جان سے۔" وہ بے یقینی کے عالم میں تھا۔

"ارے وہ تو شکر ادا کریں گے تم ہاں تو بھرو۔" اور اس نے ہاں کیا بھرلی تھی 'اٹھ کے ابراہیم کو بازوؤں میں بھرلیا۔ وہ اس اچانک محبت بھرے مظاہرے پہ بوکھلا گیا۔ سینے کے اندر تک اتری عجیب سی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی پر سکون کرنے لگی تھی۔

اسے نیرا سے ملے کئی روز ہو چکے تھے اس گریز کی وجہ وہ الجھن اور جھنجلاہٹ تھی جس نے ابراہیم کے دل و دماغ میں ڈیرے ڈال رکھے تھے "فطرتاً" وہ لاابالی تھا اور عادتاً "ذرا" روکھا سا بھی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ نیرا کی چند روز کی رفاقت اسے سراپا ہی بدل ڈالتی۔ اس میں ابھی اتنا حوصلہ نہ ہوا تھا کہ وہ ابو جان کے فیصلے کو رد کرنے کے بعد مطمئن پھرتا رہتا۔ جب سے وہ گئے تھے۔ ایک بے چینی اور خلش اس کے لیے چھوڑ گئے تھے وہ اکثر سوچتا۔

"کیا اپنی پسند سے شادی کرنا یا کسی ناپسندیدہ ہستی سے شادی کرنے سے انکار کرنا اتنا بڑا جرم ہے جس کی پاداش میں میرا ضمیر مجھے کچوکے لگا رہا ہے۔" جواب ہمیشہ نفی میں آتا۔

"پھر کیا ہے ۔۔۔ کیا ہے جو میں خود اپنے آپ سے منہ چھپائے پھرتا ہوں۔ کیوں نہیں ان کے آگے نیرا کا نام لے پاتا۔"

اور یہیں آ کے وہ ہار جاتا نجانے کیوں نیرا کا نام ان کے سامنے لینے سے وہ جھجکتا تھا۔ شاید اس کے اندر یہ یقین بھرا خوف پہلے سے موجود تھا کہ نیرا بے شک اتنی حسین ہے 'اتنی پرکشش ہے کہ کوئی بھی مرد اس کی قربت چاہے گا' اسے اپنانا چاہے گا لیکن اس میں ایسی کوئی خوبی نہیں کہ کوئی مرد اسے فخر سے اپنی ماں کے سامنے لے جائے گھر لا سکے۔ اسے اپنے والدین کی مخالفت پہلے ہی سے نظر آرہی تھی۔

"تو تمہیں پہلے نظر نہیں آرہا تھا کہ وہ لڑکی تمہارے فیملی سیٹ اپ سے بالکل بھی میچ نہیں کرتی۔" اندر پھر سے سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔

"عشق بھی بھلا دیکھ بھال کے کیا جاتا ہے۔" اس نے بے بسی سے سوچا۔

"اوہو ۔۔۔ عشق؟ پہلے یہ فیصلہ تو کر لو کہ یہ عشق ہے یا کچھ اور ۔۔۔ ایک خوبصورت ماڈرن سی لڑکی کسی پارٹی میں ٹکرا گئی۔ گرم ہو اور وہ گئی گزرا جائے' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا اور جوانی میں کس کے قدم نہیں ڈگمگاتے' رنگینیاں کسے نہیں بھاتیں۔ تمہیں بھی اپنی شامیں پرلطف لگنے لگیں' ایک قابل لوا حسینہ کو ساتھ لیے پھرنے میں تمہیں بھی مزا آنے لگا اور پھر ایسے میں اگر نہ روک ٹوک ہو۔ نہ پکڑے جانے اور سرزنش کا خوف ہو تو معاملات یوں ہی تیزی سے آگے بڑھتے ہیں چونکہ فلرٹ بازی اور دھوکا دہی تمہاری عادت ہے نہ ہی ایسا کوئی تجربہ ہے۔ اس لیے تم نے بھی اگلا قدم شادی کا سوچا۔ یہ ایک سیدھی سادی سی سائنٹیفک سی اسٹوری ہے۔ تم اسے خوامخواہ رومانی رنگ دیتے پھرتے ہو۔ اگر ایسا ہی طوفانی عشق اور لافانی ازلی محبت ہے تو فخر سے سر اٹھا کے باپ کے سامنے اس کا نام کیوں نہیں لے لیتے۔ آخر صوفی کے لیے بھی تو تم نے فوراً "انکار" کر دیا تھا نا ۔۔۔ اس لیے کہ تم خود کو اس میں حق بجانب سمجھتے تھے اس لیے بات کرنے سے ہچکچائے اور نہ جھجکے پھر آخر نیرا کے بارے میں آگاہ کرنے سے پہلے تمہارے قدم کیوں لڑکھڑا جاتے ہیں۔ اس لیے کہ تمہارے اندر کا وہی روایتی سا 'شریف سا بندہ' خود بھی اسے بطور بیوی تسلیم کرنے سے کترا رہا ہے۔"

"واٹ ربش ۔۔۔ کیا برائی ہے اس میں؟" اس نے اپنے ہی خیالات کو رد کیا۔ "اچھی بھلی لڑکی ہے بس ذرا اس کے اور ہمارے گھرانے کے لائف اسٹائل میں فرق ہے۔"

"ذرا؟" وہ جھینپا لیکن پھر بھی آئینہ دیکھنے سے کتراتا رہا۔ اور یہی گریز اسے کئی روز تک چکلالہ جانے سے روکتا رہا۔ نیرا کے سوالات اور بھی زچ کر ڈالتے تھے 'اس کے پاس بھی تو آج کل بس یہی ایک موضوع رہ گیا تھا اور یہی ایک سوال۔

"آخر تم اپنے پیرنٹس سے کب بات کرو گے؟"

لیکن کل فون پہ وہ کچھ اتنے اکھڑے انداز میں بولی کہ ابراہیم کو اندازہ ہو گیا۔ اب کے یہ ناراضی آسانی سے ختم ہونے والی نہیں۔ اس نے فی الفور وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا لیکن وہاں نیرا نے چھوٹتے ہی کچھ ایسی بات کی کہ وہ دم بخود رہ گیا۔ اسے افسوس ہونے لگا کہ آخر آج بھی اس نے یہاں آنے کا فیصلہ کیوں کیا۔ کتنے مزے سے اس نے مشورہ دیا تھا۔

"کیوں نہ ہم تمہارے پیرنٹس کے آنے سے پہلے پہلے شادی کرلیں۔"

"کیا؟ شادی کر لیں؟ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"شادی کا ہی تو کہہ رہی ہوں 'خودکشی کا مشورہ تو نہیں دے دیا۔" وہ اس کے شدید ردعمل سے خائف ہوئے بغیر بگڑ کے بولی۔

"میں اپنے امی ابو کے بغیر 'ان کی غیر موجودگی میں کیسے تم سے شادی کر سکتا ہوں ۔۔۔ یہ خیال دل سے نکال دو۔"

اس نے نیرا کے بچکانہ رویے کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے تحمل سے کام لیا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا اس احمقانہ تجویز کو سنتے ہی یہاں سے نکل جائے۔

"کس نے یہ خرافات تمہارے ذہن میں ڈالیں؟" اسے شک تھا' یہ پٹی سائرہ آنٹی نے ہی پڑھائی ہو گی۔

"کیسی خرافات؟ تم مجھے پسند کرتے ہو۔ میں تمہیں ۔۔۔ اگر کوئی تیسرا درمیان میں آرہا ہے تو اسے کک آؤٹ کر دو۔"

اس کے "کک آؤٹ" کہنے پہ ابراہیم بھڑک اٹھا۔

"ماننڈ یور لینگویج نیرا ۔۔۔" وہ بھی سنبھل گئی۔ ذرا لگاوٹ سے کہنے لگی۔

"دیکھو ابراہیم! تمہارے رویے سے مجھے لگ رہا ہے نہ تو کبھی تم ہمت کر سکو گے ان کے آگے اسٹینڈ لینے کی اور نہ ہی وہ تمہاری مانیں گے۔ اس کا یہی حل ہے کہ ان کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھائیں اور شادی کر لیں۔"

"نیرا! ایسی شادیاں بابرکت نہیں ہوتیں جس میں بزرگوں کی رضا اور خوشی شامل نہ ہو۔"

"تو میرے مما' پپا راضی ہیں نا ۔۔۔ وہ کروائیں گے یہ شادی اور پلیز! تمہارے پیرنٹس بھی کچھ ہی دنوں میں مان جائیں گے۔"

"وہ مان نہیں جائیں گے بلکہ مجبور ہو جائیں گے اور میرا خیال ہے ۔۔۔ کوئی بیٹا نہیں چاہے گا کہ اس کا باپ اس کے آگے گھٹنے ٹیک دے۔"

"تو پھر تم سرخرو کرو ۔۔۔ یہی کرنا چاہتے ہو؟"

"سرخرو ۔۔۔" وہ چپ ہو گیا۔ صدف کے الفاظ کی بازگشت سنائی دی۔

"عظیم قربانی تو اس بیٹے کی بھی تھی جس نے باپ سے ایک سوال تک نہ کیا اور خاموشی سے سر جھکا کر خود کو قربانی کے لیے پیش کر دیا۔ جو قربانی کا حوصلہ نہیں رکھتے انہیں محبت کا دعوا کرنے کا حق نہیں ۔۔۔"

وہ چونکا۔ اندھیرے میں جیسے کسی جگنو نے چمک کے راستہ دکھایا تھا' وہی جگنو سے چند الفاظ پکارو گے۔

"ایک عزیز شے کو دوسری عزیز ہستی پہ قربان کرنا ہی اصل محبت ہے۔"

اس نے لپک کے ان جگنو الفاظ کو مٹھی میں بھر لیا۔ اب فیصلہ کرنا بہت آسان تھا۔ کون عزیز تر ہے اور کون عزیز ۔۔۔ عزیز تر وہ ہستیاں تھیں جن کے اتنے دور ہونے کے باوجود وہ جن کی دعاؤں کے سائے خود پہ ہر لمحہ محسوس کرتا تھا' جن کا دل دکھا دینے کی کسک اسے دن رات بے چین کیے دے رہی تھی اور نیرا ۔۔۔ عزیز ترین تو شاید عزیز بھی نہ تھی محض ایک دل لبھانے

دالا خیال۔ وہ اس کے اوپر کو چھوئے بغیر سرسری سا گزر گیا۔

"تیرا ایسے نہیں ہو سکتا ابھی نہیں۔"

اس کے الفاظ میں اتنی سختی تھی کہ خود تیرا خاموش ہو گئی اس کے سارے دلائل جو اس نے اسے قائل کرنے کے لیے رٹ رکھے تھے دم سادھ گئے۔ وہ مبہوت کھڑی ہو گئی تو پہلی بار ابراہیم کے دل کو کچھ کچھ ہوا۔ گزرے گئی خوشگوار پل اپنی یادیں ہرانے لگے۔ اس نے سختی زور سے بند کی اور وہاں سے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

نجانے کیا وجہ تھی تیرا کو صاف صاف جواب دے دینے کے باوجود وہ مطمئن نہ ہو پا رہا تھا۔ اس نے اسے تو واضح الفاظ میں باور کرا دیا تھا کہ وہ یوں چوری چھپے شادی کر کے اپنے والدین کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا لیکن اپنے دل کو تسلی دے پا رہا تھا کہ ابو جان کے آنے کے بعد ان پہ اپنا موقف کیسے واضح کر سکے گا۔

بالکل والا مسئلہ تو کچھ حل ہو گیا تھا اب شاید سوتی کے سلسلے میں پھوپھی اماں کو ادھر ادھر دیکھنا پڑے لیکن مسئلہ یہ ہے اگر ابو جان کو اس کا رشتہ ختم ہونے کی خبر ہوئی تو ظاہر ہے وہ اس کا بوجھ بھی بانٹنا چاہیں گے اور اس میں اب تیرا کو مزید شامل کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ ویسے بھی "ابو جان کے مقابلے میں تیرا اسے عزیز تر تو کیا عزیز تک نہ لگی تھی اور اس نے محض تیرا کو مطمئن کرنے کے لیے ابو جان کو یہ ذہنی و جذباتی صدمہ دینا گوارا نہ کیا تھا کہ وہ ان کی لاعلمی میں شادی کر کے ایک بار پھر لوگوں بھائی والی کہانی دہرا اور ابو جان تو چھوٹے بیٹے کی اس حرکت سے پہلے ہی ٹوٹے ہوئے تھے بالکل ہی ڈھے جاتے۔

لیکن یہ صدمہ ہے کم از کم اس کے آگے تو تیرا کی اہمیت زیادہ تھی۔ جو بھی تھا وہی اس لڑکی کے دل میں یہ خیال لانے کا باعث بنا "آخر وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" اس نے پورے وثوق سے سوچا۔ "اب اگر اس کا انداز ہی بولڈ ہے تو ظاہر ہے وہ محبت بھی اپنے انداز میں کرے گی۔ صرف اتنی سی بات پر اسے ممنوع کرنا درست نہیں۔" اس کا دل کچھ ڈانواں ڈول ہونے لگا۔ وہ گھبرا گیا۔

"اف آخر میں کوئی فیصلہ کر کیوں نہیں لیتا۔"

اس نے گھبرا کے راحیل کے کیبن کا رخ کیا۔ … کے بعد اس کی راحیل سے اچھی خاصی بنتی تھی جس میں کافی عرصے سے رخنہ سا آ گیا تھا۔ وہ خوش مزاج … سابقہ تھا۔ اس کی معرفت وہ پہلی بار سارہ آنٹی سے ملا تھا اور ان ہی کے مشورے سے اس نے خود میں اور راحیل میں ذرا فاصلہ رکھنا شروع کر دیا تھا حالانکہ اس پابندی کی وجہ اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی لیکن تب وہ نیا نیا سارہ آنٹی کے اثر میں آیا ہوا تھا اور ان کی ہر بات آنکھ بند کر کے مان لیا کرتا تھا۔ اس کے خیال میں آنٹی کے گریز کی وجہ کوئی خاندانی تنازعہ ہو گا اور اس نے ان کی ناپسندیدگی کا لحاظ کرتے ہوئے خود بخود راحیل سے کم ربط رکھنا شروع کر دیا لیکن اس کو کمپنی میں اتنے شدت سے کسی سہارے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

انگلی تھام کے چلنا سکھانے والا باپ بھی ہزاروں میل دور تھا اور وہ ماں جو دعا کے لیے بڑھ کے … بات بھی … جس سے دل کا رشتہ جوڑنا چاہا وہ خود ہی الجھنیں بڑھانے کا باعث بن رہی تھی۔ ایسے میں اسے اپنی زندگی میں کسی پرخلوص دوست کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ وہ بے اختیار راحیل کی طرف بڑھ گیا لیکن کافی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر وہ اس سے سارہ آنٹی کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ جو کچھ جانتا تھا بھی نہ جانتا تھا کہ راحیل کا ان سے رشتہ کیا ہے۔ "اچھا" اس نے خود ہی اپنے چھوٹے بھائی کی منگنی کا ذکر شروع کر دیا۔

"ہمارے ہاں خاندان میں ہی رشتے کرنے کا رواج ہے۔ میری شادی اپنے چچا کی بیٹی سے ہوئی اور اب سہیل کی بھی پھوپھو کے ہاں کر رہے ہیں۔ تم ضرور آنا۔ کیسے کے جاتے ہی نہیں ہو۔"

"تمہاری پھوپھو سے شاید میں ان سے ملا ہوں۔ ایک بار تمہارے … جن میں ملاقات ہوئی تھی۔ ہاں یاد آیا سامنے … شاید سارہ آنٹی نے تعارف کرایا تھا۔" اس نے سرسری سا کہتے ہوئے اگلوانا چاہا۔

"کون ہے؟ وہ سارہ آنٹی … تو … اور میری پھوپھو۔" وہ اچھل کے بیٹھ گیا اور کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔ ابراہیم بےحد متعجب ہوا۔

"تم خود ہی تو انہیں آنٹی کہہ رہے تھے" آخر کس رشتے سے وہ تمہاری آنٹی لگتی ہیں؟"

"ارے کھانا! مجھے اسے دیکھ کے بھی اندازہ نہیں ہوا وہ خالہ، چچی، ممانی اور پھوپھی ٹائپ آنٹی نہیں بلکہ "وہ" والی آنٹی ہے۔ کیا کچھ سمجھ میں؟"

"وہ والی؟" وہ کچھ بھی نہ سمجھنے کے انداز میں ہونق کے رہ گیا۔

"ہاں یار! "وہ" والی آنٹی جو تم جیسے سارہ خوبصورت لڑکوں کی آنٹی ہونے کی وجہ سے خود بخود ہی سب کی آنٹی بن جاتی ہے۔"

"واٹ؟" اسے ہزار والٹ کا کرنٹ لگا۔ یہ حقیقت تو اس کے گمان سے بھی باہر تھی۔ تیرا کا معصوم و دلکش چہرہ تصور میں آ کے اسے ڈرانے لگا اور وہ راحیل کی باتوں پہ ایمان لانے سے انکاری ہو گیا۔

"تم تو ایسے اچھل رہے ہو جیسے پہلی بار ایسی بات سنی ہو۔ ارے اس پروفیشن میں آنے کے بعد تو ایسے تماشے دیکھنے کو ملتے ہیں کہ کیا پوری سوسائٹی عریاں ہو کے سامنے آ جاتی ہے۔ عجیب صحافی ہو تم کہ پہلی نظر میں اس عورت کی اصلیت نہ جان سکے۔"

"میں نے اسے صحافی کی نظر سے دیکھا ہی کب تھا۔ انہوں نے آنٹی کہہ کے تعارف کروایا اور میں بس اس سے … احترام کی وجہ سے کچھ سوچ بھی نہ سکا۔"

وہ آہستگی سے بولا اور حقیقت بھی یہی تھی اپنی پروفیشن کے لحاظ سے وہ واقعی ایک جینئس بندہ تھا جبکہ عام زندگی میں ہر بات کو ہر چیز کو سطحی انداز میں لینے والا۔ تہہ تک پہنچنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی۔ آنٹی اور تیرا کے کھلے ڈلے لائف اسٹائل اور … کو ان کی سوسائٹی کے تقاضے سمجھ کر خیال کر رہا تھا کہ وہ کوئی اتنے اپر کلاس سے بھی تعلق رکھتے تھے بلکہ کئی خاندان ہی مڈل کلاس ہی کہلاتے جا سکتے تھے پھر یہ فارن ریٹرن اور ہائی کلاس سوسائٹی جیسے طور طریقے رکھنے کا مطلب؟

"تم بھی بس بھولے بادشاہ ہو یار۔ نجانے اتنے سال لاہور میں کیا کرتے رہے۔ وہاں تو ایسی آنٹیاں

دھڑلے سے شریفوں کے محلے میں رہتی ہیں۔ اب ان شہروں میں بھی یہ رجحان ہو گیا ہے۔ بدنام بازاروں کی رہائش اس لیے ترک کر دی ہے کہ وہاں تھرڈ کلاس اور اوباش لوگ آتے ہیں۔ کوٹھوں کے بجائے کوٹھیوں میں آنے کا یہ فائدہ ہے کہ صاف ستھرے 'کریم کلاس' کے بزنس مین آتے ہیں۔ لوگوں میں آزادی سے اٹھ بیٹھ بھی سکتے ہیں۔ اب اس آنٹی کو ہی دیکھ لو۔ پہلی شادی کسی زمین دار سے کی۔ طلاق اور دو بچوں کو لے کر پھر اس محلے میں آگئی۔ ایک شریف بندہ پھنسایا' نکاح کا ٹیگ لگایا اور جاننے والیوں کی مدد سے یہ کام ذرا الگ ڈھنگ سے شروع کر دیا' وہ مجرے' محفلیں' ٹھمریاں سب گئے دور کی باتیں ہیں میری جان! آج کے امیر زادے کچھ اور مانگتے ہیں انہیں امراؤ جان ادا نہیں بلکہ "ماڈرن روح" چاہیئے۔ اس نے بھی بیٹیاں پچھلے اپنے دھندے سے ہی لگائی ہیں لیکن کالج بھیجنے کے بعد یعنی ہر طرح کے کیل کانٹے سے لیس کر کے۔"

"بیٹیاں؟ اپنی بیٹیاں بھی؟ تم تو کہہ رہے تھے جاننے والیاں؟"

اس نے بڑی آس سے پوچھا۔ خیال ہی تکلیف دہ تھا کہ اتنا عرصہ وہ کسی ایسی ویسی لڑکی سے منسلک رہا اور پھر خود یہ ناداں بھی رہا۔

"ہاں' اپنی اولاد کے معاملے میں ذرا اصول الگ رکھے ان میڈم نے۔ انہیں ایسے کسی کام سے نہیں لگایا جس میں رسک اور بدنامی زیادہ ہو۔ اور تو اور اس نے بیٹے کے دام بھی کھرے کیے۔ ماضی کی مقبول ماڈل گرل اور اب کی نامور فیشن ڈیزائنر کا Pet۔ جیسے Pet جانتے ہو نا' شوہر۔ بڑی بیٹی میرا ملک کے ایک سیاستدان سے بیاہ دی اب اور چاہے اس کے پاس وہ نہ ہو محمود ہوتا ہوتے ہوئے بھی توست ہے' یہ کوٹھی جس میں اب رہ رہے ہیں' اسی خان صاحب کی عنایت کردہ ہے۔ ابھی کافی کچھ ہے بڈھے کے پاس اس لیے گھر بسا ہوا ہے ورنہ چھوٹی لڑکی نیرا تو آٹھ مہینوں میں سب سمیٹ کے آگئی تھی۔"

"کیا؟" وہ لرز گیا۔

"ہاں اور آنٹی صاحبہ بھی اس روز اسی سلسلے میں وہاں موجود تھیں۔ نواز لئیق کو جانتے ہو۔ پچھلے سال اسی سے نکاح ہوا تھا محترمہ نیرا کا' اصلیت جلد کھل گئی۔ اس لیے زیادہ عرصہ نبھ نہ سکی' بے چاری جتنا بٹور سکی اسی پہ اکتفا کرتے ہوئے بھاگ گئی۔ نواز نے کیس پریس کانفرنس کے ذریعے کچا چٹھا کھولنے کی کوشش کی تو آنٹی صاحبہ پہنچ گئیں انہیں اسی آفس میں تصفیہ ہوا تھا۔"

"تو وہ شادی شدہ۔" وہ پوچھتے پوچھتے رک گیا۔ اپنا ہی بھرم کھو دینے کا ڈر تھا۔ اسے نیرا اور آنٹی کے وہ تمام رنگ ڈھنگ اور ناز و انداز یاد آگئے' جن کی بد صورتیوں سے اس نے اب تک آنکھیں چرا رکھی تھیں۔ وہ اکثر رات کو جب گھر پہنچتا تو بھانت بھانت کی لڑکیاں پہلے جمع ہوتیں' بھڑکیلے ملبوسات اور شوخ میک اپ کے ساتھ۔ اس کے ایک بار کے استفسار کرنے پر آنٹی نے وضاحت کی تھی کہ وہ فارغ وقت میں لڑکیوں کو مختلف علوم کی ٹریننگ وغیرہ دیتی ہیں۔ وہ اس ٹریننگ کو ککنگ' بیکنگ' ڈریس ڈیزائننگ' پینٹنگ اور میک اپ وغیرہ کے کورسز ہی سمجھتا رہا اپنی دھن میں یہ تک غور نہ کیا کہ آنے والی لڑکیاں ماشاءاللہ سے خود خاصی "تربیت" یافتہ لگتی ہیں۔

اور وہ اکثر بیشتر نیرا کا یا آنٹی کا اس سے بے تکلفی سے رقم مانگ لینا۔ نیرا کا آئے دن اس سے شاپنگ کروانا۔ سب اس پہ واضح ہونے لگا۔

وہ خاموشی سے راحیل کے پاس سے اٹھ آیا۔ اسے خود پہ غصہ آرہا تھا اور شرم بھی محسوس ہو رہی تھی کہ کیسے وہ ایک بازاری عورت کے ہاتھوں بے وقوف بن گیا۔ یہ بات ابھی تک اس کی سمجھ سے باہر تھی کہ آخر آنٹی اور ان کی بیٹی کی نظر عنایت اس پہ ہی کیوں ٹھہری۔ شہر کے رئیس اور سیٹھ کیا سب ختم ہو گئے تھے یا سب کے سب نیرا کے آزمائے ہوئے تھے یا پھر

اس کی حماقت' سادہ لوحی یا صاف لفظوں میں کماؤ پن اکیلا پن ان دونوں کو بھایا تھا کہ وہ اس عام سے درجے کے بھائی کو لوٹنے کے لیے منتخب کر بیٹھیں۔ بہت سوچ سوچ کر یہی بات دماغ میں آئی کہ ایک شادی کے بعد نیرا کا بھانڈا پھوٹ گیا ہو گا اور شہر میں نیا نیا آنے کی وجہ سے اس کا ان کی اصلیت جان لینے کا اندیشہ کم سے کم ہو گا اس لیے۔ اس نے سچائی سے اپنا احتساب کیا۔

"سچ ہی تو سوچا تھا نیرا نے' واقعی مجھ سے زیادہ احمق اسے اور کوئی کیا ملتا جو 'بھولے بھالے' جانتے بوجھتے انجان بنا رہا۔ میں تو خاموشی سے خود کو آپ برباد کرنے جا رہا تھا' اتنا گم ہو چکا تھا" اس کی ذات کی ظاہری رنگینیوں میں کہ سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیت ہی ماؤف ہو کے رہ گئی تھی' چکاچوند نے آنکھیں اتنی چندھیا دیں کہ کوئی روشنی سجھائی نہ دے رہی تھی۔ وہ تو اگر ابو جان آکر [illegible] کرتے تو میں یونہی مگن رہتا" ان کی بات نے ایسا چونکایا کہ میں بار دگر اس پہ غور کرنے پہ مجبور ہو گیا۔

اور تب۔ پھر صدف کے وہ الفاظ۔ سچ تو یہ ہے کہ ان الفاظ نے ہی مجھے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ اگر وہ الفاظ۔ قربانی اور باپ بیٹے کی محبت کا وہ لازوال فلسفہ میرے اندر نہ اترتے' کتنی نہ جگاتا تو نیرا کی تجویز مجھے اتنی ناقابل عمل نہ لگتی اور شاید میں بھی ابو جان کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھانے کا سوچتے ہوئے اس فریب جال میں پھنس چکا ہوتا لیکن یہ تب کی بات تھی۔ تب کی۔ جب میں سر سے پیر تک نشے میں مدہوش تھا' اب میں ایسا کیوں سوچ رہا ہوں۔ مجھے تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے کسی نہ کسی وسیلے سے مجھے سنبھلنے کا موقع دیا۔"

☼ ☼ ☼

"عاکف! تم یہ مہندی کا پیالہ پکڑو' میں ذرا یہ ہار راجہ کے گلے میں ڈالتا ہوں۔"

ابراہیم نے رنگین پھندنوں اور نقرئی گھنٹیوں سے سجا ہار بکرے کے سینگوں سے پھنسا کے گزارنے کی کوشش کی۔

"بھائی! یہ مہندی نہیں لگوا رہا' لعنتی ہے نا' اس لیے ہاتھ لگتے ہی بدک جاتا ہے۔ دلہن ہی نہیں بن رہا۔" عاکف نے دہائی دی۔

"تو تم یہ جلیبیاں مت بناؤ یار' بس چاند بنا دو اور ستارے۔"

"ہاں۔ وہ تو بہت آسان ہے۔" وہ چہک کے بولا۔

"آپی! مجھے یقین ہو گیا' وہ جو افسانوں میں لکھتے ہیں نا کہ محبت خود بخود اپنا رستہ بنا لیتی ہے اور وہ جو کہتے ہوتے ہیں' پیار کیا نہیں جاتا ہو جاتا ہے' دل دیا نہیں جاتا ہو جاتا ہے' سب سچ ہوتے ہیں۔"

موتی کے لہرا لہرا کے گنگنانے پہ سب چونک کے اسے دیکھنے لگے۔ عاکف کے چہرے پہ خوش فہمی تھی تو صدف اسے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے موتی کا دماغ چل گیا ہو جبکہ ابراہیم اس خوف سے حیرت زدہ ہو گیا کہ کہیں اسے اصل بات کا پتا تو نہیں چل گیا۔

"دیکھیں نا آپی! ابراہیم بھائی تو راجہ سے اتنا چڑتے تھے۔ اب کیسے ایک دم اس سے اتنا پیار کرنے لگ گئے۔ کبھی اس کے آگے پیچھے "ڈول رہے ہیں۔ کبھی دانہ کھلا رہے ہیں' صبح خود نہلایا اور اب میک اپ بھی کر رہے ہیں۔"

اس کی بات پہ عاکف کے چہرے کی خوش فہمی نے منہ بنایا تو ابراہیم نے بھی شکر ادا کیا کہ موتی محبت تک تو پہنچی مگر صرف راجہ کی۔

"بات یہ ہے موتی! اگر پیار واقعی کیا نہیں جاتا ہو جاتا ہے لیکن بلاوجہ بھی نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی وجہ' کوئی نہ کوئی تحریک اس جذبے کو بیدار کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ کبھی انسیت' کبھی قربت' کبھی کشش' کبھی خوبصورتی' کبھی دوستی اور کبھی احسان مندی۔ کبھی کوئی ہستی بغیر جتائے آپ پہ اتنا بڑا احسان کر جاتی ہے کہ آپ کا بس نہیں چلتا' شکر گزاری کے احساس سے مغلوب ہو کے اپنی قیمتی ترین متاع اس پہ وار دیں۔ اور دل سے زیادہ قیمتی چیز

اور کون سی ہے۔"

"تو آپ نے بکرے کو اپنا دل دے دیا ہے؟" موتی کے حیرت سے چلانے پہ وہ سر جھٹک کے ہنس پڑا۔ عاکف اور صدف بھی حیرت سے اسے تک رہے تھے۔

"لیکن یہ راجہ آپ کا محسن کیسے ہوا؟" عاکف کے سوال پہ اس نے لب دبا کے کچھ سوچا پھر صدف کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بس کسی نے بتا دیا' نہ نہ..... اب یہ مت پوچھنا "کسی کون؟"" اس نے ہار راجہ کے گلے میں پہنا ہی دیا۔

"واہ راجہ کے کیسے لاڈ اٹھائے جا رہے ہیں' کل عید ہے۔ چچی جان نہیں ہیں تو کسی نے یہ تک نہیں پوچھا۔ موتی تمہیں چوڑیاں اور مہندی چاہیے' عید کا جوڑا سلوا لیا؟"" اسے بہانا مل گیا پھوپھی اماں کو یاد کر کے رونے کا۔ صدف نے اسے گلے لگا لیا۔

"پاگل' امی کب تم سے یہ پوچھتی تھیں' بس عید والے دن تمہارا جوڑا' تمہاری پسند کی سب چیزوں کے ساتھ تمہیں دے دیتی تھیں۔ میں نے بھی ایسی سوچ رکھا تھا' تمہارا خوبصورت سا سوٹ تیار ہے۔ جاؤ اکو کے ساتھ جا کے میچنگ کی چوڑیاں لے آؤ۔"

"اور بندے بھی..... پیر کی پازیب بھی..... اور ہاں' وہ نئے شیڈ کی نیل پالش۔" دونوں ہتھیلیوں سے آنسو پونچھتے ہوئے وہ لسٹ گنوانے لگی۔

"یہ تمہاری نہیں راجہ کی عید ہے۔ قربانی اس کی ہو رہی ہے تمہاری نہیں۔ اس عید کا اصل ہیرو بکرا ہوتا ہے سارے بجنے سنورنے کا حق صرف اسے ہے۔" اکو نے چڑایا۔ وہ اس سے الجھنے لگی۔

ابراہیم نے کن انکھیوں سے چاول چنتی صدف کو دیکھا۔ موتی اور عاکف کے کھٹے میٹھے جملے سنتے ہوئے اس کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"اصل محسن تو تم ہو میری۔" اس کے دل نے سرگوشی کی۔

"میں جان گیا ہوں کہ مجھے سنبھالا دینے میں سب سے اہم کردار تمہارے ان الفاظ نے کیا تھا۔ تم تو شاید جانتی بھی نہ ہو گی تمہاری اس دن کی کہی عام سی بات نے کس کس طرح مجھے سہارا دیا۔ ورنہ میں تو بالکل بے دست و پا ہو چکا تھا۔ ظاہری کشش اور وقتی پسندیدگی کو عشق سمجھ بیٹھا تھا۔

عشق تو اکو نے کیا تھا' موتی کو برسوں سے بے انتہا چاہنے کے باوجود اس کا دل خود غرضی پہ آمادہ نہ ہوا' خود کو نامراد ٹھہرائے جانا منظور تھا اسے لیکن اس کے لیے ہمیشہ بہتر سے بہترین کی آرزو کی۔

پھوپھی اماں کی محبت کتنی سچی اور بے غرض تھی' اپنی اولاد کے لیے خودداری سے کام لینا گوارا تھا لیکن پرائی امانت کو کس عقیدت سے سینچا کہ ساری عمر بھائی سے کچھ نہ لینے والی بہن اس کے لیے مدد مانگ ہی بیٹھی۔

اور صدف..... قربانی تو وہ ہے جو اس نے دی' اپنی ذات پہ اس نام نہاد منگنی کا ٹیگ لگائے رکھنا صرف اس لیے گوارا کیا کہ کہیں موتی کے لیے آنے والا کوئی رشتہ اس کا طلب گار نہ ہو جائے..... اس محبتوں سے گندھے گھرانے' اس مہکی فضا نے میرے اندر سے سارے اندھیرے دور کر دیے۔

کیا مجھے اس روشنی سے دور جانا چاہیے۔" اس نے خود سے سوال کیا اور جواب ملا۔

"نہیں ہرگز نہیں بلکہ اس جگنو کو ہمیشہ کے لیے اپنا ہم سفر کر لو تاکہ بھٹکنے کا کھونے کا کوئی ڈر ہی نہ رہے۔"

اس نے فیصلہ کر لیا اور سرشار سا ہو کے ابو جان کا انتظار کرنے لگا جو جاتے جاتے اس پہ ایک بار ڈال گئے تھے یہ کہتے ہوئے۔

"ایک فرض میں ادا کرنے جا رہا ہوں۔ دوسرے فرض کی ادائیگی تم پر قرض ہے۔"

اور وہ یہ قرض بمعہ سود انہیں لوٹانے کا شدت سے منتظر تھا۔

☆